شاد و نیاز

مہاراجہ سر کشن پرشاد شاد

اور

علامہ نیاز فتح پوری کی خط و کتابت

ڈاکٹر حبیب ضیاء

سنہ اشاعت : دسمبر ۱۹۹۳ء

کتابت : محمد غالب تعداد : ۶۰۰

طباعت : دائرہ پریس، چھتہ بازار

قیمت : ۳۰ روپیے

ناشر : ڈاکٹر حبیب ضیاء
B/304- اکبر ٹاورس ملک پیٹ
حیدرآباد 500024

ملنے کے پتے :

۱- شگوفہ - ۱۳۱ - مجرد گاہ معظم جاہی مارکٹ حیدرآباد

۲- حسامی بک ڈپو - چارکمان حیدرآباد

۳- ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤز، نئی دہلی

۴- ایوانِ اردو ناظم آباد کراچی

یہ کتاب فخر الدین علی احمد میموریل کمیٹی کے
مالی تعاون سے شائع ہوئی

مصنف: ڈاکٹر حبیب ضیاء
پروفیسر و صدر شعبۂ اردو
یونیورسٹی کالج فار ویمن، کوٹھی حیدرآباد

مصنف کی کتابیں:

۱- دکنی زبان کی قواعد ۱۹۶۳ء
۲- مہاراجہ سر کشن پرشاد ۱۹۷۸ء
۳- گویم مشکل (طنز و مزاح) ۱۹۸۱ء
۴- ایسی تیسی (〃) ۱۹۸۸ء

زیر طبع:

۱- دکنی کی جدید قواعد
۲- جائزے (تنقیدی و تحقیقی مضامین)
۳- بڑے گھر کی بیٹی (خود نوشت سوانح)
۴- تین تیرہ (طنزیہ مزاحیہ مضامین)

انتساب

افتخار کے نام

میرے لیے باعثِ افتخار ہے کہ اس

نیک سیرت لڑکے کی ساس ہوں

فہرست

دیباچہ

آج سے تقریباً ستائیس سال قبل، زمانۂ طالب علمی میں میں نے یہ خطوط ترتیب دیے تھے "دکنی زبان کی قواعد" ۱۹۶۲ء میں شائع ہوئی۔ اس کے بعد مہاراجہ کشن پرشاد شاد، حیات اور ادبی کارنامے" لکھ کر ڈاکٹریٹ کی ڈگری لی۔ طنزیہ مزاحیہ مضامین کے دو مجموعے "گرم مشکل" اور "انیس بیس" شائع ہو چکے ہیں۔

مہاراجہ کشن پرشاد اور علامہ نیاز فتح پوری کے خطوط میں نے محفوظ رکھ دیئے تھے۔ ڈاکٹر مسعود حسین خاں صاحب نے اسی زمانے میں یہ مشورہ دیا تھا کہ یہ خطوط شائع ہو جائیں تو بہتر ہے۔ ان کا شیوہ ہمیشہ سے یہی رہا کہ طالب علموں کی حوصلہ افزائی کرتے تھے۔ ان کے مشورے پر عمل کرتی تو یہ خطوط عرصۂ دراز قبل چھپ کر منظر عام پر آجاتے۔

پی ایچ ڈی کے مقالہ کی تیاری کے سلسلے میں مجھے نواب مہدی نواز جنگ سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا۔ ان کی رہنمائی سے مقالہ لکھنے کے کام میں بڑی مدد ملی۔ نواب صاحب ہی کی ہدایت اور مشورے پر حیدرآباد کے کئی دانشوروں نے میری ہر طرح مدد فرمائی۔ مہاراجہ شاد اور علامہ نیاز فتح پوری کے خطوط حیدری کتب خانے سے دستیاب ہوئے۔ اس

کے لیے میں جناب احسان اللہ صاحب لائبریرین حیدری گشتی کا شکریہ ادا کرتی ہوں۔

پرنسپل یونیورسٹی کالج فار ویمن پروفیسر مسز سرسوتی لاؤ صاحبہ کی اردو دوستی کا ذکر ضروری ہے۔ میری ادبی کاوشوں کو انھوں نے ہمیشہ سراہا اور کتابوں کی اشاعت پر دلی مسرت کا اظہار فرمایا۔ مجھے فخر ہے کہ ان کی سرپرستی، شفقت اور حوصلہ افزائی ہمیشہ سے حاصل رہی۔

شریکِ زندگی سید رحیم الدین توفیق، تصنیف و تالیف کے سفر میں برابر کے شریک ہیں۔ ان کی حوصلہ افزائی نہ ہوتی تو میری ایک کتاب بھی منظرِ عام پر نہ آسکتی تھی۔

سید افتخار الدین نے کتاب کا نفیس اور خوب صورت ٹائٹل جدّہ، سعودی عرب سے بنا کر بھیجا۔ امید کہ قارئین کتاب اور ٹائٹل دونوں کو پسند فرمائیں گے۔

ڈاکٹر سید مصطفیٰ کمال صاحب ایڈیٹر ماہنامہ "شگوفہ" نے میری درخواست پر اس کتاب کی اشاعت کی ساری ذمہ داری سنبھالی۔ خدا انھیں اہل و عیال کے ساتھ ہمیشہ خوش و خرم رکھے۔ دین اور دنیا میں سرخرو کرے۔ رسالہ شگوفہ کے ذریعہ وہ طنزیہ مزاحیہ ادب کی جو خدمت کر رہے ہیں اس کا انھیں بھرپور صلہ ملے۔ آمین۔ کتاب کی اشاعت کے لیے ادبی ٹرسٹ حیدرآباد، آندھرا پردیش اردو اکیڈیمی اور فخر الدین علی احمد میموریل کمیٹی کے مالی تعاون کا شکریہ ادا کرنا میرا لازمی فریضہ ہے۔

حبیب ضیا

صدر شعبۂ اردو، یونیورسٹی کالج فار ویمن کوٹھی حیدرآباد، اے پی

اردو میں خطوط نگاری

اردو میں خط لکھنے کی ابتدا انیسویں صدی کے درمیان ہوئی۔ یہ وہ زمانہ تھا جب، کہ مغلیہ سلطنت کے زوال کے ساتھ فارسی زبان کو بھی زوال آرہا تھا۔ فارسی کے خاتمے کے ساتھ ہی اردو کی مقبولیت بڑھتی جارہی تھی۔ رجب علی بیگ سرور کے خطوط جو "انشائے سرور" کے نام سے شائع ہو چکے ہیں۔ تاریخی اعتبار سے اہمیت کے حامل ہیں۔ لیکن ان خطوط کا انداز اور اسلوب فارسی خطوط کا چربہ ہے۔ اردو میں خط نگاری کا آغاز درحقیقت غالب سے ہوتا ہے۔ غالب نے اردو میں خط لکھنے کا اپنا ایک منفرد انداز ایجاد کیا تھا۔ جس کے وہی موجد اور مختتم تھے۔ غالب کے بعد خطوط لکھنے اور چھپوانے کا رجحان بے انتہا مقبول و عام ہوا۔ اس کے نتیجے میں خطوط کے بے شمار مجموعے شائع ہوئے اور آج بھی شائع ہو رہے ہیں۔ لیکن غالب کے خطوط کی بات کسی میں پیدا نہ ہوسکی۔ غالب کے بعد کئی اہلِ قلم حضرات کے خطوط منظر عام پر آئے۔ ان میں سرسید، محسن الملک، وقار الملک، شبلی، حالی، آزاد، اکبر، امیر مینائی، داغ دہلوی، مہدی افادی، نیاز فتح پوری، ابوالکلام آزاد، مولوی عبدالحق

اور عبدالماجد دریابادی قابلِ ذکر ہیں۔ مندرجہ بالا تمام ادیبوں کے خطوط میں ان کے اسلوبِ نگارش کی جھلکیاں آگئی ہیں۔ اگر ہم ان مجموعوں کا تجزیہ کریں تو دو طرح کے خط نگار ملتے ہیں۔ ایک گروہ ان ادیبوں کا ہے جو سرسید کی طرح سادہ لکھنے والے ہیں۔ دوسرے وہ جن کے خطوط میں شبلی کی طرح ادبیت اور زبان کی چاشنی ہے۔ محسن الملک، وقار الملک، حالی اور عبدالحق کا اندازِ نگارش سرسید سے ملتا جلتا ہے اور بقیہ ادیب شبلی سے مشابہت رکھتے ہیں۔ یہ تمام ادیب بڑی حد تک خطوط میں اسلوب پر نسبتاً زیادہ توجہ دیتے ہیں۔ نیاز فتح پوری کے خطوط اس کی اچھی مثال ہیں وہ یہ سمجھ کر خط لکھتے ہیں کہ ان کے خطوط شائع ہونے والے ہیں۔ یہ احساس ان کے لیے نقصان دہ ثابت ہوا۔ اس احساس سے ان کے خطوط میں ادبی چاشنی تو برقرار رہی لیکن ان کی شخصیت نکھر کر سامنے آئی اور نہ ہی ان میں وہ بے تکلفی کی فضا پیدا ہو سکی جو نجی خطوط میں پائی جاتی ہے۔

خطوط نگاری میں شاد کی انفرادیت

مہاراجہ عہدِ جدید کی خط نگاری کے رجحانات سے متاثر تھے۔ ان کی شخصیت بہت جامع تھی۔ وہ بہ یک وقت ادیب بھی تھے اور شاعر بھی۔ مصلحِ اخلاق بھی تھے اور سیاست داں بھی۔ ان کا حلقۂ احباب بہت وسیع تھا۔ جلیل القدر عہدے پر فائز ہونے کے باوجود ان سے ملنے والوں میں ہر طبقے کے لوگ شامل تھے، ان کے بے شمار دوست احباب تھے اور تقریباً سبھی سے ان کی خط و کتابت تھی۔ گو ناگوں مصروفیات کی

بنا پر انھوں نے اپنے خانگی دفتر میں ایک الگ شعبہ بنایا تھا۔ ان کے پرائیویٹ سکریٹری مسعود حسن غبار تھے۔ غبار صاحب نے بہت ہی منظم طریقے سے الگ الگ فائیل بنا رکھے تھے۔ وہ ان خطوط کے ساتھ مہاراجہ کے خطوں کے مسودے بھی منسلک کر دیتے تھے۔

مہاراجہ شاد کے غیر مطبوعہ خطوط کی مختلف فائیں دیکھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کی خط نگاری کے دو طریقے تھے۔ بعض وقت وہ غبار صاحب کو ہدایت دیتے کہ خط کا مسودہ لکھ کر پیش کریں۔ مسودہ تیار ہونے کے بعد وہ اس میں مناسب ترمیم و اضافہ کرتے۔ ضرورت محسوس کرتے تو ایک آدھ جملہ حذف کرواتے۔ ان کے خطوط کی فائیلوں میں ایسے بہت سے خطوط ہیں جو غبار صاحب کے لکھے ہوئے ہیں اور مہاراجہ شاد نے اصلاح کی ہے۔

پرائیویٹ سکریٹری سے خطوں کے مسودے لکھوانے کی ایک وجہ جو بالکل واضح طور پر سمجھ میں آتی ہے وہ یہ کہ شاد کو سرکاری مصروفیات کی بنا پر اتنی فرصت نہیں ملتی تھی کہ دوست احباب کے خطوں کے جواب دے سکیں۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ بہت سے خطوط جو کاروباری قسم کے ہوتے ان کا جواب بندھا ٹکا ہوتا۔ اس لیے ایسے خطوں کے جواب غبار صاحب ہی لکھ دیا کرتے، غبار صاحب ادبی صلاحیتوں کے حامل تھے۔ قابل ذکر بات یہ کہ چوں کہ مہاراجہ شاد سے انھیں قرب تھا اس لیے وہ ان کے ادبی ذوق سے اچھی طرح واقف بھی تھے۔ غبار صاحب کے لکھے ہوئے خطوط کے مسودے جو مختلف ادیبوں اور شاعروں کے نام ہیں ان کے مطالعے

سے پتہ چلتا ہے کہ غبار صاحب نے مہاراجہ کے مزاج اور مکتوب الیہ سے روابط کا خاص خیال رکھا ہے۔ اکثر خطوط میں موقع و محل کی مناسبت سے اردو اور فارسی کے مصرعے یا شعر کے برمحل استعمال کے ساتھ چٹکلے، لطیفے اور تلمیحات بھی ملتی ہیں۔ خطوط کے مسودے دیکھنے کے بعد شبہ کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی یقین کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ یہ خطوط مہاراجہ بہادر نے نہیں بلکہ غبار صاحب نے لکھے ہیں۔ فرصت کے اوقات میں خود مہاراجہ خطوط کے جواب لکھتے۔ چھوٹے بڑے کی تخصیص نہیں کرتے۔ ان کا اسلوب سادہ و سلیس ہے۔ اس سادگی میں جذبات و کیفیات کی آمیزش سے ان کے خطوط میں نجی خطوط کی تمام خصوصیات شامل ہو گئی ہیں۔

خطوط کے مجموعے

مہاراجہ کشن پرشاد نے جو خطوط شاعروں، ادیبوں اور دانشوروں کو لکھے ہیں ان کے متنوع موضوعات ہیں۔ ادبی نکات بھی ہیں اور مذہبی مباحث بھی وہ ایک مخصوص شائستہ تہذیب کے پروردہ تھے۔ خطوط کے درج ذیل پانچ مجموعے چھپ کر منظر عام پر آچکے ہیں۔

۱۔ ارقعات شاد ۱۹۰۰ء م ۱۳۱۸ھ

۲۔ جمال یار ۱۹۲۲ء م ۱۳۴۱ھ

۳۔ شاد اقبال ۱۹۴۲ء

۴۔ اکبر الٰہ آبادی اور مہاراجہ کشن پرشاد کی خط و کتابت ۱۳۷۰ھ

۵۔ مکاتیب یمین السلطنت ۱۳۷۱ھ

مناسب ہے کہ اس موقع پر ان مجموعوں کی مختصراً صراحت کر دی جائے
رقعات شاد میں مہاراجہ کشن پرشاد کے ۳۰۹ خطوط ہیں۔ اس مجموعے کے
خطوط مختلف شاعروں، ادیبوں اور عالموں کے نام ہیں۔ جمال یار مہاراجہ
شاد اور جمال الدین نذری کی خط و کتابت کا مجموعہ ہے۔

تیسرا مجموعہ شاد اقبال، جیسا کہ نام سے ظاہر ہے۔ اس میں
مہاراجہ شاد اور اقبال کے خطوط ہیں۔ اس
مجموعے میں شاد کے ۵۲ خطوط علامہ اقبال کے نام اور علامہ اقبال کے ۴۹
خطوط مہاراجہ شاد کے نام ہیں۔

اکبر الہ آبادی اور مہاراجہ کشن پرشاد کی خط و کتابت کا مجموعہ ۷۲ صفحات
پر مشتمل ہے۔ اس مختصر سے مجموعے میں شاد کے ۹ خطوط، اکبر الہ آبادی کے نام اور
اکبر الہ آبادی کے ۲۵ خطوط شاد کے نام ہیں۔

مکاتیب یمین السلطنت مہاراجہ شاد اور سید معصوم علی وارثی کی خط و
کتابت کا مجموعہ ہے۔ اس مجموعے میں ان دونوں کے خطوط کے علاوہ مہاراجہ
بہادر کے سفرنامہ "سیر پنجاب" اور سفرنامہ "جام جہاں نما" کے اقتباس بھی دیے
گئے ہیں۔

شاد و نیاز

مہاراجہ کشن پرشاد اور علامہ نیاز فتح پوری کے خطوط کے مجموعے کو میں
نے "شاد و نیاز" کا نام دیا ہے۔ اس مجموعے میں نیاز فتح پوری کے خطوط نسبتاً
زیادہ ہیں۔ ان دونوں حضرات کے علاوہ مہاراجہ شاد کے پرائیوٹ سکریٹری
سید صادق حسین غبار کے بھی چند خطوط شامل ہیں جو نیاز فتح پوری کو لکھے گئے

ب۔ اسی طرح نیاز فتح پوری کے بھی چند خطوط ہیں جو خیار صاحب کے نام
ہیں۔ جن میں بعض خطوط کا حوالہ ہے یا پھر کسی مخصوص کام کے لیے اظہار
تشکر کیا گیا ہے۔ مہاراجہ شاد کا ایک خط خاص اہمیت کا حامل ہے۔ یہ خط
نواب افتخار الملک کے نام ہے جس میں نیاز فتح پوری کے لیے سفارش کی گئی ہے
یہ خط اس بات کا ضامن ہے کہ مہاراجہ شاد کو نیاز فتح پوری سے بے حد خلوص
تھا اور وہ ان کی مدد کے لیے کبھی کوئی کسر اٹھا نہیں رکھتے تھے۔

نیاز فتح پوری کی انفرادیت

اردو ادب میں نیاز فتح پوری کی ہمہ گیری اور ان کی انفرادیت سے
انکار نہیں کیا جا سکتا۔ انھوں نے کئی اصناف میں طبع آزمائی کی ہے۔ بہ یک
وقت وہ افسانہ نگار بھی ہیں اور ایک اچھے مترجم بھی۔ صحافت نگار بھی
ہیں اور بلند پایہ نقاد بھی۔ اس کے علاوہ اگر ان کے مذہبی مضامین کو یک جا
کیا جائے تو ایک طویل فہرست مرتب ہو سکتی ہے۔

نیاز فتح پوری کی سب سے بڑی ادبی خدمت رسالہ "نگار" کا اجرا ہے۔
اس رسالے کے ذریعے انھوں نے نہ صرف اردو ادب کی خدمت کی ہے بلکہ اس
کے ذخیرے میں بیش بہا اضافہ بھی کیا ہے۔

نیاز فتح پوری کی خطوط نگاری کا ذکر کرتے ہوئے علامہ ارشد کاکوی اپنی کتاب
"تنقید و تشخیص" میں لکھتے ہیں :

"فرانسیسی ادب میں BELLE کسی حسین و جمیل عورت کو کہتے ہیں
اور BELLE LETTERS ان کے یہاں لطیف ادب میں اس

تحریروں کو کہتے ہیں جو جمالیات و ادبیات بلکہ انتقادیات جیسے اہم
موضوعات سے متعلق ہوتے ہوئے بھی ہلکے پھلکے، سادہ، شگفتہ،
نازک اور شاعرانہ اندازِ بیان کے حامل ہوں، فرانسیسی ادب
کی اس صنف کے پیشِ نظر اگر اردو ادب کے سرمائے کو یکجا
کیا جائے تو مکتوباتِ نیاز کو سرِ فہرست رکھنا ہوگا۔"

اس اقتباس سے نیاز فتح پوری کے اردو خطوط کی عظمت و بلندی کا بخوبی اندازہ
لگایا جا سکتا ہے۔

غالب کی طرح نیاز فتح پوری نے بھی آداب والقاب کے فرسودہ طریقے
کو ختم کیا ہے۔ اکثر خطوط کی ابتدا غالب کے خطوط سے بہت مشابہ ہے۔
کہیں القاب استعمال کیے ہیں تو ایسے لوگوں کے لیے جن کے بلند مرتبے اور
عظمت کے وہ قائل ہیں۔ مہاراجہ شاد کے نام جو خطوط ہیں ان میں "مطاعی
الاعز" لکھا ہے۔ اس کے علاوہ سرکار والا، مطاعی و محترمی، مطاعی الاعز
ادام اللہ بالعز والاقبال جیسے القاب بھی ملتے ہیں۔

خطوط کے اختتام پر اپنے نام کے ساتھ نیاز فتح پوری نے عموماً جو الفاظ
استعمال کیے ہیں وہ یہ ہیں :

خاکسار، خادم، عقیدت مند، نیاز مند دیرینہ، حضرت کے الطاف
خسروانہ کا منت پذیر۔

نیاز فتح پوری کو مہاراجہ شاد نے خطوط میں اکثر مہربان شاد، نیاز شاد
نواز جیسے القاب سے مخاطب کیا ہے اور خود اپنے لیے لفظ "فقیر"۔ یہ مہاراجہ
شاد کی منکسر المزاجی کا کھلا ثبوت ہے۔

شاد اور نیاز، تصانیف بر یک نظر

مہاراجہ کشن پرشاد شاد

تاریخ پیدائش:- ۱۸۶۴ء

تاریخ وفات:- ۱۹۳۹ء

اہم تصانیف[1]:

۱۔ رین بسیرا	۱۱۔ نسیم سحر
۲۔ مجموعۂ مناجات	۱۲۔ عرض حال
۳۔ نظم دو پیسہ	۱۳۔ سیر [illegible] دکن
۴۔ نعرۂ مستانہ	۱۴۔ جلوۂ کرشن
۵۔ درس محبت	۱۵۔ خمار شاد
۶۔ جذبۂ قومی	۱۶۔ بزم توحید
۷۔ باغ شاد	۱۷۔ شمع توحید
۸۔ نغمۂ شاد	۱۸۔ مثنوی موجود
۹۔ بیاض شاد	۱۹۔ آئینۂ وحدت

---

[1] تصانیف کی یہ فہرست میں نے اپنے مقالے مہاراجہ کشن پرشاد، شاد حیات اور ادبی خدمات کی مدد سے مرتب کی ہے۔ اس فہرست میں چند مقالات بھی ہیں جو علاحدہ کتابی شکل میں شائع ہو چکے ہیں۔ خطبات، تحریکات کے مطبوعہ مجموعے علاحدہ ہیں۔

۲۰- آئینۂ وجود
۲۱- مثنوی سرِ وجود
۲۲- ماتمِ حسین
۲۳- نوحۂ شاد
۲۴- مرثیۂ ضیا طباطبائی
۲۵- صبحِ امید
۲۶- شگوفۂ بہار
۲۷- نذرِ سلطان
۲۸- رباعیاتِ شاد (تین مجموعے)
۲۹- آئینۂ عقیدت
۳۰- ارمغانِ ثریا
۳۱- گلبنِ تاریخ
۳۲- نذرِ شاد
۳۳- دسہرہ
۳۴- ہندو بھائیوں سے خطاب
۳۵- معراجِ ترقی
۳۶- کرشن کلا
۳۷- فریادِ شاد
۳۸- آزادی
۳۹- سوریہ پرکاش

۴۰- رن بیر
۴۱- گیان درپن
۴۲- دینِ حسین
۴۳- نورِ چشم
۴۴- موتیوں کی لڑی
۴۵- ارض الرمل
۴۶- ارمغانِ وزارت
۴۷- لطائفِ بے نظیر
۴۸- ضلع جگت
۴۹- مخزن القوافی
۵۰- مطلعِ خورشید
۵۱- چہلِ نار
۵۲- بزمِ حال
۵۳- سرمایۂ سعادت
۵۴- جذباتِ شاد
۵۵- جامِ جہاں نما
۵۶- سیرِ ناگپور
۵۷- سیرِ سفر
۵۸- روزنامچۂ گلبرگہ
۵۹- سفرِ شاد نگر

۶۰۔ تفریحِ شاد
۶۱۔ روضۂ شریف
۶۲۔ سفر دو ہفتہ
۶۳۔ شکارِ شیر شاہی
۶۴۔ سیرِ پنجاب
۶۵۔ شکارِ شیر
۶۶۔ قدومِ سلطانی
۶۷۔ ایک سفرنامہ
۶۸۔ رقعات شاد
۶۹۔ جمالِ یار
۷۰۔ شاد اقبال
۷۱۔ اکبر الہ آبادی اور مہاراجہ کشن پرشاد کی خط و کتابت
۷۲۔ مکاتیب یمین السلطنت

علامہ نیاز فتح پوری

تاریخ پیدائش : ۱۸۸۴ء

تاریخِ وفات : ۱۹۶۶ء

اہم تصنیفات[1] :

۱۔ انتقادیات حصہ اوّل و دوم
۲۔ ایک شاعر کا انجام
۳۔ تاریخ الدولتین
۴۔ ترغیباتِ جنسی
۵۔ تاثراتِ نیاز
۶۔ جذباتِ بھاشا

---

[1] یہ فہرست ڈاکٹر ہمیر عارفی کی کتاب "نیاز فتح پوری" سے لی گئی ہے۔

۷۔ جالستان

۸۔ چند گھنٹے حکمائے قدیم کی روحوں کے ساتھ

۹۔ حسن کی عیاریاں اور دوسرے افسانے

۱۰۔ شہاب کی سرگزشت

۱۱۔ صحابیات

۱۲۔ عرضِ نغمہ

۱۳۔ فراست الید

۱۴۔ گہوارۂ تمدّن

۱۵۔ مالہ و ماعلیہ

۱۶۔ مجموعۂ استفسارات و جوابات حصّۂ اوّل، دوم، سوم

۱۷۔ محمد بن قاسم سے حملۂ بابر تک

۱۸۔ مختاراتِ نیاز

۱۹۔ مذہب

۲۰۔ مذاکراتِ نیاز

۲۱۔ مسئلۂ مشرقیہ

۲۲۔ مشکلاتِ غالب

۲۳۔ مطالعاتِ نیاز

۲۴۔ مکتوباتِ نیاز حصّۂ اوّل، دوم، سوم

۲۵۔ من و یزداں حصّۂ اوّل، دوم

مشاہیر اردو کے خطوط
مہاراجہ کشن پرشاد کے نام

مہاراجہ سرکشن پرشاد اپنے مورث اعلیٰ مہاراجہ چندولال شاداں کی طرح علم و ادب کی سرپرستی کرتے تھے۔ ہندستان کے نامور ادیبوں اور شاعروں سے مہاراجہ کے گہرے مراسم تھے۔ شاعروں اور ادیبوں سے مہاراجہ کے تعلقات کی وسعت کا اندازہ اس بات سے بخوبی کیا جاسکتا ہے کہ ان کے یہاں شاعروں اور ادیبوں سے خط وکتابت کا ایک اور مستقل دفتر تھا۔ اس دفتر میں تمام خطوط باقاعدہ جمع رکھے جاتے تھے اور پھر اس کے جوابی مسودوں کو بھی بڑے اہتمام سے محفوظ کیا جاتا تھا۔ جن اہلِ قلم حضرات سے مہاراجہ کے تعلقات تھے ان میں خاص اور قابلِ ذکر امیر مینائی، سرشار، داغ، حالی، شبلی، اکبرالہ آبادی، شرر، عابد مرزا بیگم، نظم طباطبائی، ریاض خیرآبادی، اقبال، فانی، جلیل، فرحت اللہ بیگ، سر شیخ عبدالقادر، ظفر علی خاں، مولوی عبدالحق، کیفی، سید سلیمان ندوی اور خواجہ حسن نظامی ہیں۔ ان سبھوں کی مہاراجہ سے خط وکتابت تھی۔ مہاراجہ کے فرزند چندا پرشاد نے ان کے چند خطوط کو "رقعات شاد" کے نام سے شائع کیا

میں محفوظ ہیں داغ، حالی، سرشار، امیر مینائی وغیرہ کے نام مہاراجہ کے خطوط ہیں
مہاراجہ اور ڈاکٹر اقبال کی باہمی مراسلت کو ڈاکٹر زور نے "شاد اقبال" کے نام
سے شائع کیا ہے۔ بعض اہلِ قلم حضرات ایسے ہیں جن کے خطوط ابھی شائع
نہیں ہوئے جیسے شرر، عابد مرزا بیگم، نظم طباطبائی، نیاز فتح پوری، عبدالماجد
دریابادی، تاجور نجیب آبادی، جوش، ریاض خیرآبادی وغیرہ۔

کہا جاتا ہے کہ حیدرآباد میں باہر سے آنے والے شعرا جیسے فانی وغیرہ
کی خاطر خواہ قدر نہیں کی گئی لیکن جہاں تک مہاراجہ کشن پرشاد کے دربار کا
تعلق ہے انھوں نے ہر شاعر ادیب اور عالم کی قدر دانی، ہمت افزائی اور مالی
امداد میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی۔ مہاراجہ کا یہ دستور تھا کہ نہیں مانگنے والوں
کی بھی امداد کرتے تھے اور مانگنے والوں کی بھی اور ان کی مدد پوشیدہ طریقے سے
ہوتی تھی۔ مہاراجہ کی سخاوت اور دریادلی کے چرچے عام تھے ان کی علم دوستی اور علم پروری
کا شہرہ سن کر کئی شعرا ان کے دربار سے منسلک ہو گئے تھے اور اکثر ایسے تھے
جن کی علمی اور ادبی صلاحیتوں سے متاثر ہو کر مہاراجہ نے انھیں اپنے
یہاں آنے کی دعوت دی تھی۔ بعض ایسے بھی تھے جنھیں مہاراجہ کی جیب خاص سے
ماہانہ ایک مقررہ رقم بطور وظیفہ ملا کرتی تھی۔

امیر مینائی کی حضور نظام کے یہاں باریابی کے بعد مہاراجہ بہادر
سے بھی رسم و راہ بڑھی۔ "رقعاتِ شاد" میں شامل ان خطوط سے معلوم
ہوتا ہے کہ انھیں امیر مینائی سے ملنے کا کس قدر اشتیاق تھا۔

"آپ کے حیدرآباد آنے کے قبل ہی میری آنکھیں کو انتظار اور

کانوں کو اشتیاق تھا کہ آپ کو دیکھوں اور آپ کا کلام سنوں۔ انشاءاللہ تعالیٰ اب وہ وقت قریب آتا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو شفائے عاجلہ عطا فرمائے۔"

مہاراجہ شاد، پنڈت رتن ناتھ سرشار سے والہانہ محبت و عقیدت رکھتے تھے۔ ان کی ادبی صلاحیتوں کے معترف تھے۔ اپنے بعض ناولوں پر سرشار سے اصلاح بھی لی اور ان کے ناولوں کا وسیع مطالعہ بھی کیا تھا۔ سرشار کے نام مہاراجہ نے جو خطوط لکھے ہیں ان سے پتہ چلتا ہے کہ سرشار سے ان کی کافی بے تکلفی تھی۔ خطوط میں جی حضرت سرشار، سرشار بیمار جیسے القاب سے مخاطب کیا ہے۔

ایک خط میں سرشار کی نثر نگاری اور ادبیت کا اعتراف کرتے ہوئے اپنی نثر نگاری کا ذکر کیا ہے جس سے تعلّی کا انداز واضح ہے۔

"مگر ہاں ابھی تو یہ کہو شب کو میں نے جو رقعہ بھیجا تھا اس کی عبارت کیسی تھی۔ آپ کو دعویٰ تھا کہ لکھنؤ کے مقابل میں اور خصوصاً سرشار کے مقابلے میں کوئی نثر نگار نہیں لکھ سکے گا مگر اب بھی کچھ مانو گے کہ نہیں کہ ہم حیدرآبادی بھی لکھ لیتے ہیں۔"

اعلیٰ حضرت کے دربار میں باریاب ہونے کے بعد مہاراجہ کے تعلقات ان سے اور بھی بڑھ گئے۔ داغ نے دمِ آخر تک مہاراجہ کی عنایتوں سے سرفرازی پائی۔ مہاراجہ نے داغ کی شاگردی قبول کی تھی۔ اس کے بعد ان دونوں میں باقاعدہ خط و کتابت ہوتی تھی۔ مہاراجہ نے داغ کے نام جو خطوط لکھے ہیں ان میں علمی مباحث کثرت سے ملتے ہیں۔ داغ کے خط کے جواب میں مہاراجہ نے جو خط لکھا ہے اس کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ انھوں نے اپنی غلطی کا اعتراف کر لیا ہے۔

شاد کے الفاظ ملاحظہ ہوں:

آپ نے "جتلانا" بتلانا" دکھلانا" ان قافیوں کو جو کلامِ داغ میں متروک ہیں اعتراض فرمایا تھا۔ میں تسلیم کرتا ہوں، چوں کہ ذوق اور غالب کے کلام میں یہ جائز ہیں اور آپ حضرت ذوق خاقانیِ ہند کے شاگرد ہیں۔ اس خیال سے میں نے یہ قافیہ باندھا۔ آئندہ سے ضرور خیال رکھوں گا"

مہاراجہ داغ کا بے حد احترام کرتے تھے۔ انھوں نے تمام خطوط میں داغ کے لیے جو القاب لکھے ہیں وہ یہ ہیں:

"جنابِ من نواب فصیح الملک بہادر حضرت داغ دہلوی سلمہٗ تعالیٰ"۔

مہاراجہ نے حالی کے نام جو پہلا خط لکھا تھا۔ اس سے جہاں ان کے خلوص اور بے تکلفی کا اندازہ ہوتا ہے۔ وہیں یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ وہ اہلِ علم حضرات کے کتنے قدرداں تھے۔

حالی کو وہ اس طرح مخاطب کرتے ہیں :

خالِ رخسار فضل و کمال خواجہ الطاف حسین صاحب حالی!

یہ ظاہر ہے کہ آپ سے مجھ کو تعارف نہیں۔ میں اور آپ روشناس نہیں ۔ اس بے تعارفی میں بے تکلفی یعنی چہ مگر میں اپنے دل کے ہاتھوں مجبور رہوں۔ کان دھر کر سنیئے۔ میں نے آپ کی تصنیفات سے دو کتابیں دیکھیں ایک حیات سعدی (بارک اللہ) اور دوسری یادگار غالب (سبحان اللہ) مجھ میں نہ اس قدر استعداد ہے نہ قابلیت کہ آپ کی تعریف کروں۔ مگر یہ ضرور کہوں گا کہ یہ دونوں کتابیں انمول ہیں اور آپ کا دم نعمات میں سے ہے ۔ خدا بچشم زخم حوادث سے بچائے۔ میں نہ عالم نہ فاضل، نہ ادیب اور نہ شاعروں میں میرا شمار ہے۔ ایک بندۂ خدا ہوں "

حالی سے مہاراجہ کے مراسم کا اندازہ خطوط کے علاوہ ان کی تصنیف سیر پنجاب کی اس عبارت سے بھی ہوتا ہے :

" آج صبح کو مولوی الطاف حسین صاحب حالی آئے تھے۔ ان کا دم غنیمت ہے۔ گو پیری نے اپنا عمل دخل کر لیا ہے مگر دل جوان اور عقل آزمودہ کار ہے۔ ان کی ہر بات دل سے نکلتی ہے اور دل میں ایسی اترتی ہے جیسے انگوٹھی میں نگینہ، خدا زندہ رکھے لطفِ صحبت سے میں نہایت

برا نہیں ہے۔ اگر ارادہ ہو تو مطلع کیجیے کہ میں اپنے مصاحبین
یا عہدیداروں میں سے کسی کو بھیج دوں تاکہ آپ کو با آرام
حیدرآباد لائے۔"

ان دونوں کے اکثر خطوط علمی و ادبی مباحث سے بھرے پڑے ہیں۔ اکبر الہ آبادی کے چند خطوط میں ان کی رباعیات بھی ہیں۔ جو انھوں نے مہاراجہ کے مطالعہ کے لیے خط کے ساتھ منسلک کی ہیں۔

عبدالحلیم شرر سے بھی مہاراجہ کے دوستانہ تعلقات تھے۔ شرر کی نثر نگاری اور نظم نگاری کے مہاراجہ قدرداں تھے۔ دیگر اہل قلم حضرات کی طرح شرر کو بھی مہاراجہ سے امیدیں وابستہ تھیں۔ ایک خط میں لکھتے ہیں:

"دلگداز کو میں نے وی پی نہیں روانہ کیا اور دراصل وہی عام قیمت جو سارے ملک سے لی جاتی ہے اس کو جناب سے بھی لینا میں شان کے خلاف تصور کرتا ہوں۔ میں چاہتا ہوں کہ دلگداز کو کچھ سالانہ تنخواہ مقرر ہو جائے اور امید ہے کہ سرکار اس درخواست کو قبول فرمائیں گے۔"

عابد مرزا بیگم ریختی کے مشہور شاعر تھے۔ مہاراجہ ان کی شاعری کے قدرداں تھے۔ بیگم ایک خوددار شاعر تھے لیکن تنگ دستی و مفلسی سے پریشان ہو کر انھوں نے ایک معروضہ مہاراجہ کے منتظم سید صادق حسین غبار کو لکھا تھا۔ عابد مرزا بیگم اپنے مخصوص انداز میں لکھتے ہیں:

محفوظ اور مستفید ہوا۔"

اکبر الہ آبادی کی طنزیہ و مزاحیہ شاعری مہاراجہ کو بے حد
چنانچہ انھوں نے اپنے چند خطوط میں، جو اکبر الہ آبادی کو لکھے گئے
طرز اور اسلوب اختیار کیا ہے۔

اکبر الہ آبادی اور مہاراجہ کشن پرشاد کی خط و کتابت" میں ا
کے جو خطوط ہیں ان سے ان کے خوش گوار مراسم کا بخوبی اندازہ
یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ کس طرح دونوں حضرات اپنے خطوط میں زندگی کے مختلف پہلو
کرتے اور ایک دوسرے سے مشورہ لیتے اور عمل کرتے۔ اکبر الہ آبادی کا ایک خط جو
نام ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی عنایتوں اور مہربانیوں
الہ آبادی کو کتنا شدید احساس تھا۔ وہ لکھتے ہیں:

"یہ نیاز نامہ اس غرض سے لکھا کہ زیادہ غیر حاضری احسان
فراموشی نہ سمجھی جائے۔ درحقیقت آپ کا کرم و احسان ہے
کہ آپ مجھ شکستہ دل اور بے ہنر کی قدردانی فرماتے ہیں۔"

مہاراجہ، اکبر الہ آبادی سے ملنے بے چین رہتے تھے۔ اس کا
اندازہ ان کے اس خط سے ہوتا ہے جس میں انھوں نے
اکبر الہ آبادی کو حیدر آباد آنے کی دعوت دی ہے۔ خط کا اقتباس
ملاحظہ ہو:

"میں پہلے بھی لکھ چکا ہوں اور آج مکرر لکھتا ہوں کہ آپ
ضرور حیدر آباد آنے کا ارادہ فرمائیے۔ آج کل موسم بھی

"بیگم کی سکونت حیدرآباد کی عمر ۱۹ برس کی ہے مگر ادبار و پریشانی سے اسی عمر میں بڑھیا ہو گئی۔ اب اس بڑھاپے کا بھی خاتمہ ہے۔ بیگم نے آج تک کسی کی طرف آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھا۔ اگرچہ امراء و رؤسا بہت نظر آئے۔ جس کی تھی اس کے نام پر ۱۹ برس سے بیٹھی ہے۔ سرکار سر مہاراجہ بہادر، بیگم کے پرانے قدرداں ہیں اور آج تک اس کا جو سہاگ باقی رہا صرف سرکار ہی کی قدردانی سے باقی رہا۔ اب بیگم کو لاج کنور طال العمرہ کا صدقہ نان نفقہ ملنا چاہیے۔ فاقہ کشی کی نوبت یہاں تک پہنچ گئی ہے۔"

مہاراجہ نے عابد مرزا بیگم کی پریشان حالی اور تنگ دستی کا تذکرہ پڑھنے کے بعد ماہانہ تیس روپے پیسان کا تقرر کر لیا۔ بیگم نے اپنے ایک شعر میں مہاراجہ کی سرپرستی کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے:

انھیں کے دم سے ہے قائم سہاگ بیگم کا
الٰہی شاد سلامت رہے یوں ہی برسوں

دوسرے اور شعرا کی طرح نظم طباطبائی سے بھی مہاراجہ کے خاص تعلقات تھے۔ ایک بڑی اور اہم وجہ یہ بھی تھی کہ مہاراجہ اپنے مضامین اور اشعار پر نظم طباطبائی سے اصلاح لیا کرتے تھے۔ حق شاگردی ادا کرنے کے لیے وہ نظم کا بے حد احترام کرتے تھے۔ انھوں نے غبار صاحب کو ایک نوٹ یوں لکھا تھا:

"ایک غزل فارسی بھیجتا ہوں۔ یہ لفافہ حیدر نواز جنگ بہادر طباطبائی یعنی طباطبائی صاحب جن کو حال میں خطاب ملا ہے بھجوا کر لکھیے کہ بعد اصلاح لفافہ بند کر کے میرے نام واپس کریں۔ کل بھی دو غزلیں بھیجی تھیں۔ ان کی رائے کے لیے بھی لکھیے۔"

نظم طباطبائی کی موت مہاراجہ کے نزدیک سانحۂ عظیم تھی۔ ان کے انتقال کے بعد اظہار غم اور حقِ دوستی ادا کرنے کے لیے ایک نوحہ لکھا تھا۔ نوحہ کا ایک بند پیش ہے:

موت ایسے باکمال کی ہے علم و فن کی موت
ہے انجمن نواز کی موت، انجمن کی موت
بلبل نہیں تو گل کی ہے رحلت چمن کی موت
ہاں جب سخن طراز نہ ہو ہے سخن کی موت
مرنے سے نظم کے ہوا دل شق ہزار حیف؛ بزم ادب کی اٹھ گئی رونق ہزار حیف

آخری اشعار سے یہ بات واضح طور پر سامنے آتی ہے کہ مہاراجہ شاد نظم طباطبائی سے اپنے کلام پر اصلاح لیا کرتے تھے۔

شاگردان کے علم و ادب میں کثیر تھے
شعر و سخن میں نظم مرے بھی مشیر تھے
اصلاح نظم و نثر میں وہ بے نظیر تھے
سچ یہ ہے کہ وہ موئیدِ ربِّ قدیر تھے

مہاراجہ کشن پرشاد کی ادب نوازی، علم دوستی اور سخن پروری کا شہرہ سن کر دوسرے اور مشاہیرِ ہند کی طرح ریاض خیرآبادی بھی حیدرآباد آئے تھے اور ایک عرصے تک ان کے ہاں مہمان بھی رہے۔ خمریات کے بہترین شاعر ہونے کے ساتھ ریاض بلند پایہ انشا پرداز بھی تھے۔

ریاض خیرآبادی کا بہت ہی دل چسپ خط ہے جس میں انھوں نے اپنی کثیر العیالی اور پیرانہ سالی کا ذکر کرتے ہوئے مہاراجہ سے مالی اعانت چاہی ہے۔

اے دامنِ تو قبلۂ مشتِ غبارِ من

رات آخر وقت نازک ہے ریاض لو لگی ہے شمع کی اللہ سے

حضورِ والا

بہ اعتبارِ عمر میرے خدا رسیدہ ہونے میں شک نہیں۔ میں جوان تھا جب بھی لوگ کہتے تھے:

دیکھ کر ہنستے ہو کیا تم صورتِ پاکِ ریاض
یہ بڑے پہنچے ہوئے اللہ والے لوگ ہیں

بہ فرضِ اس میں ریاض کی ریا کو بھی دخل ہو مگر بڑھاپے کے اس نازک وقت میں ہر شخص چاہتا ہے کہ ایسی مسلمہ برگزیدہ ہستی سے جس کے ساتھ نسبتِ قرب حاصل ہو اور دوری کی نسبت ہر وقت حاصل ہو وہ نسبتِ قرب کے حصول کی تجدید کیوں نہ کرے۔

س موقع پر بہ کمال ادب بلاگردان ہو کر کیوں نہ اس امر کا استفسار
دں سجع کے پیرائے میں کسی نے اپنے نمک پروردہ کو یہ اختصاص
ی :

شاد صاحب کی دعا ہے ہر دم
رہے سرسبز ریاض احمد

ے شرف اجابت نہ پایا ہوتا تو مجھے اتنی درازی عمر ہرگز حاصل
۔ ریاض احمد قیامت تک سرسبز رہے گا مگر نسبتاً اس دعا سے
مجھے اب تک حاصل ہوتی رہی کیا کم ہے ہر طرح پھولا پھلا۔ یہاں
ی عمر میں خدا نے سات بچے دیئے۔ جن میں پچھلے دونوں بھائی
اللہ دینے والی مقدس ہستی کو مجھ پر اور میرے ان بچوں کے سر پر
کی اولاد عزیز ہیں اور پرورش و پرداخت کے لیے محض بے ذریعہ
ستر رکھے ۔ آمین۔ آمین ۔ ہزار بار آمین ۔ ایسے ظل شانہ و ظل اللہ
) آخر نسبت قرب کی تجدید کے لیے کیوں نہ حاضر ہوں۔ اس تمنا
پوری سے یہ سن کر ادھر بھی ہیجان پیدا ہو گیا کہ سرکار دولت مدار
در میرا ذکر فرماتے ہیں :

ہم ان کے ہیں ہمارا پوچھنا کیا

ے طلب اجازت مقصود نہیں ۔ نہ مجھ سے وابستہ دامن کو اس
رت اور ہو بھی تو میں اس کا اہل نہیں ۔ خدا تصور کا بھلا کرے
ریاب ہو کر کہہ سکتا ہوں :

اے دامن تو قبلۂ مشتِ غبار من

میں یقیناً انشاء اللہ تعالیٰ نیاز فتح پوری کے ساتھ ہی اگست کی کسی تار
میں شرفِ حضوری حاصل کروں گا۔

دولت و اقبال بستدام

ریاض

نمک پروردہ حضور مدار المہام

ریاض خیرآبادی کے اس خط سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ مہاراجہ بہادر سے مالی امداد کے خواہاں تھے۔

نصیر حسین خاں خیال سے مہاراجہ بہادر کے گہرے مراسم تھے۔ ان کا جو خط دستیاب ہوا ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ ان دونوں اصحاب کے مابین کافی عرصے سے خط و کتابت کا سلسلہ ہے اور یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ خیال، مہاراجہ سے ملاقات کا شرف حاصل کر چکے ہیں۔ خیال کا خط ملاحظہ ہو:

مائی ڈیئر سر یمین السلطنت بہادر

عرض بندگی چاکرانہ

ایک عرصہ دراز سے خیر و عافیت مزاج مبارک دعائی معلوم نہیں ہے امیدوار رہوں کہ ازراہ شفقت بزرگانہ دو کلمہ خیریت ارشاد فرما کر سرفراز و ممتاز کیا جاؤں۔ زیارت قدم بوسی کے اشتیاق کو کیا کروں۔

اس اثنا میں اکثر شرف ملاقات دنیاز کا قصد ہوا کہ ایک مرتبہ پھر حیدرآباد حاضر ہو کر مشرف ہوں۔ مگر شومیٔ قسمت سے قاصر رہا اور اب تک قاصر ہوں۔ دیکھیے ایسا مبارک موقع پھر کب نصیب ہوتا ہے اور جناب عالی کب یاد فرما کر فقیر کے دیرینہ اشتیاق کو پورا فرماتے ہیں۔

اس خط کے جواب میں مہاراجہ نے جو خط لکھ بھیجا وہ کافی اہمیت رکھتا ہے۔ اس کی عبارت سے پتہ چلتا ہے کہ وہ بھی خیال سے ملتے اور ان کے خیال سے آگاہ ہونا چاہتے ہیں۔ نیز مہاراجہ نے اپنی خانگی پریشانی کا بھی ذکر کیا ہے۔ ان کے لڑکے خواجہ پرشاد کی آنکھ مجروح ہو گئی تھی اس کا ذکر کرتے ہوئے خط کے آخری حصے میں لکھتے ہیں:

"یقین مانیے کہ اس تاریخ جس کو کہ سال کا عرصہ ہوتا ہے فقیر کی آنکھوں میں دنیا اندھیری ہے۔ پانچ چھ ماہ کے عرصے سے کچھ روشنی جو نہیں نظر آتی تھی کہتا ہے کہ اب نظر آنے لگی ہے۔ دعا فرمائیے کہ خدائے تعالیٰ فضل فرمائے۔ باقی اور کیا لکھوں۔ ہر طرف سے مایوسی بھیانک صورت اپنی دکھلا کر ڈراتی ہے۔ لیکن کرم در حمت لاتقنطوا من رحمۃ اللہ کہہ کر ڈھارس دیتی ہے۔ اسی بھروسے پر زندگی کے دن امید میں گزر رہے ہیں۔ یقین ہے کہ آپ معہ فیملی کے خیریت سے ہوں گے"

علامہ اقبال سے مہاراجہ کی ملاقات ۱۹۱۰ء میں ہوئی۔ ان دونوں
خط وکتابت کا سلسلہ عرصۂ دراز تک جاری رہا۔ اکثر خطوط میں علمی و ا
مباحث ملتے ہیں۔ مہاراجہ، انھیں "مائی ڈیر اقبال" یا "میرے پیارے
اقبال" لکھا کرتے اور اقبال انھیں "سرکار والا تبار" سے مخاطب کرتے
علامہ اقبال ایک بلند پایہ شاعر ہی نہیں، قوم کے مخلص رہنما بھی
شہر حیدرآباد سے انھیں جو لگاؤ اور والہانہ محبت تھی اس کا اظہار ان
کی کئی تحریروں سے ہوتا ہے۔ محمد حسام الدین خاں غوری کا خیال ہے کہ
علامہ اقبال کی شاعری حیدرآباد دکن کی مرہونِ منت ہے۔ وہ حیدرآباد
کو اقبال کی شاعری کا محرک قرار دیتے ہوئے اپنی کتاب "مفکرِ پاکستان
اور اسلام میں لکھتے ہیں:

"آپ کو یہ معلوم کرکے یقیناً حیرت ہوگی کہ نہ صرف علامہ
اقبال کے کلام اور ان کی فکر ونظر اور تعلیمات کی عالم گیر
اشاعت میں حیدرآباد دکن نے بے مثال سعیِ بلیغ کی بلکہ خود
علامہ اقبال کو شاعری کی طرف دنیائے علم وادب اور
انسانیت کبھی فراموش نہیں کرسکتی۔"

علامہ اقبال نے دو مرتبہ حیدرآباد کا سفر کیا تھا۔ ۱۹۱۰ء اور اس کے
بعد ۱۹۲۹ء۔ ۱۹۱۰ء میں مہاراجہ کشن پرشاد صدارتِ عظمیٰ پر فائز ہوئے تھے۔
اقبال اور شاد کے جو دوستانہ تعلقات اس وقت قائم ہوئے وہ زندگی بھر
برقرار رہے۔ مہاراجہ شاد کی علم دوستی، علم نوازی اور جود وسخا سے متاثر

ہو کر ڈاکٹر اقبال نے انتالیس اشعار کی ایک طویل نظم "شکریہ" کے عنوان سے لکھی تھی۔ اس نظم کو جناب تصدق حسین تاج نے رسالہ 'مخزن' کے حوالے سے ہی کتابچہ کی صورت میں ۱۹۳۵ء میں شائع کیا۔ علامہ اقبال نے نظم سے پہلے نظم کی تخلیق کی وجہ بتائی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

"گزشتہ مارچ میں مجھے حیدرآباد دکن جانے کا اتفاق ہوا اور وہاں آستانۂ وزارت پر حاضر ہونے اور عالی جناب ہزایکسلنسی مہاراجہ سرکشن پرشاد بہادر جی، سی، آئی، ای یمین السلطنت پیشکار، وزیراعظم دولت آصفیہ المتخلص بہ شاد کی خدمت بابرکت میں باریاب ہونے کا فخر بھی حاصل ہوا۔ ہزایکسلنسی کی نوازش کریمانہ اور وسعت اخلاق نے جو نقوش میرے دل پر چھوڑے وہ میرے دل سے کبھی نہیں مٹیں گے۔ مزید یہ کہ جناب ممدوح نے میری روانگی حیدرآباد سے پہلے ایک نہایت تلطّف آمیز خط لکھا اور اپنے کلام شیریں سے بھی شیریں کام فرمایا۔ ذیل کے اشعار اس عنایت بے غایت کے شکریہ سے زبان پر بے اختیار آگئے۔ انھیں زبان قلم کی وساطت سے جناب مہاراجہ بہادر کی خدمت میں پہنچانے کی جرأت کرتا ہوں۔"

نظم کا مقطع ہے:

شکریہ احسان کا اے اقبال لازم تھا مجھے
مدح پیرائی امیروں کی نہیں میرا شعار

پروفیسر عبدالقادر سروری اپنے مضمون "اقبال کے خطوط کی سوانحی اہمیت" میں علامہ اقبال کی مختلف لوگوں سے خط و کتابت پر ...

"اقبال کے ان علمی اور ادبی طرز کے خطوط کا انداز عالمانہ اور مباحث تک محدود ہے لیکن مہاراجہ سرکشن پرشاد کے نام جو خط ہیں اس کا نہج ہی دوسرا ہے۔ ان خطوط میں علمی اور ادبی خطوط کی مہری اور کم آمیزی کا کہیں پتہ نہیں چلتا۔ یہ خطوط اقبال کی نسر جو خلوص اور محبت کے جذبات سے بھرے ہوئے تھے اس کے آئینہ ..."

فانی سے مہاراجہ کی پہلی ملاقات ۱۹۲۶ء میں ہوئی ان کے روابط مستحکم ہوتے گئے۔ مہاراجہ نے ازراہ ادب نوازی فانی ماہانہ وظیفہ مقرر کر دیا تھا۔ اور ایک طویل مدت تک ان کی ضروریات کی کفالت کرتے رہے۔ ملازمت کے سلسلے میں بھی مہاراجہ نے ان کی مدد کی۔

مہاراجہ کے انتقال کے بعد فانی مالی مشکلات سے دوچار رہے مہاراجہ سے وابستگی کا اظہار اس شعر سے ہوتا ہے:

دل سے تیری یاد ہرگز محو ہو سکتی نہیں
اب بھی فانی کو وہی ہے کل جو نسبت تجھ سے تھی

فصاحت جنگ جلیل جس وقت حیدرآباد آئے، مہاراجہ بہادر پیشکار سلطنت تھے۔ امیر مینائی کے انتقال کے بعد مہاراجہ نے جلیل کو اپنے مصاحبین میں شامل کرلیا اور اپنے کلام پر اصلاح بھی لینے لگے۔ عرصۂ دراز تک مہاراجہ نے ان کی سرپرستی کی۔ پروفیسر حمید الدین شاہد نے اپنی کتاب "حیدرآباد کے شاعر" میں لکھا ہے کہ داغ کا انتقال ہوا تو میر محبوب علی خاں نے جلیل کو اپنا استاد مقرر کیا تھا۔

مہاراجہ شاد، فرحت اللہ بیگ کی نظم و نثر سے بے حد متاثر تھے۔ رسالہ اردو میں فرحت اللہ بیگ کا ایک مضمون "دہلی کا ایک مشاعرہ" چھپا تھا۔ اس مضمون کو پڑھنے کے بعد مہاراجہ نے انھیں ایک اشرفی بطور تحفہ بھیجی تھی۔ ہفتہ میں ایک بار وہ فرحت اللہ بیگ سے ملنے کے خواہاں تھے۔ ان سے فرمائش کرکے غزل سنتے اور فرحت اللہ بیگ کی کوئی کتاب شائع ہوتی تو اولین فرصت میں اسے پڑھ ڈالتے۔ مضامینِ فرحت میں فرحت اللہ بیگ کا جو انداز بیان ہے اس سے مہاراجہ بہت بلکہ مرعوب ہوئے۔ اس سلسلے میں ان کے تاثرات ایک خط میں اس طرح ہیں:

> "مرزا صاحب! آپ نے رلایا بھی اور ہنسایا بھی۔ طبیعت بہت خوش ہوئی۔ خدا آپ کو شاد بامراد رکھے۔ ایک رسالہ واپس بھیجتا ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ آپ اس کو قبول کرکے مجھے شاد کریں گے اور دل کو فرحت بخشیں گے۔"

اس خط کے جواب میں مرزا فرحت اللہ بیگ نے تحفہ کا شکریہ

ادا کیا اور لکھا کہ ان کی ہمت افزائی اور جوشِ قدردانی کے بھی ممنون ہیں
جسے میں وہ لکھتے ہیں:

"جب خدمت والا میں حاضر ہوتا ہوں تو خدا بہتر
کہ میرے دل کا کیا حال ہوتا ہے۔ سوچتا ہوں کہ
جب ہر امیر کے ہاں پہلے یہی صحبت ہوگی تو اس ز
والوں کی کیسی اچھی گزرتی ہوگی۔"

خواجہ حسن نظامی سے مہاراجہ شاد کی عقیدت کا ا
سے ہوتا ہے کہ انھوں نے خواجہ صاحب کے ہاتھ پہ بیعت
کو انھوں نے خماری شاہ کا خطاب بھی دیا تھا۔

رسالہ منادی میں مہاراجہ کے جو خطوط خواجہ صاح
ہوئے ہیں ان کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ ان خطوط میں
مذہبی امور پر اظہارِ خیال کیا گیا ہے۔ اس بات سے بھی وا
کے مذہب کے بارے میں مسلسل بحث و مباحث
تھے۔ وہ خود اپنے مذہب کے بارے میں لکھتے ہیں:

شاد کا مذہب شاد ہی جانے
آزادی آزاد ہی جانے

اکثر لوگ ان کی بلا وجہ مخالفت کرتے تھے۔ کوئی کفر کا فت
کوئی نام بدلنے کی تجویز رکھتا۔ اسی سلسلے میں ایک خط خواج
کے نام لکھا تھا جو خاصا دلچسپ ہے:

"ایک خبر مجھ تک پہنچی ہے، عام نہیں خاص ہے۔ شاید کہ عام ہو جائے۔ وہ یہ کہ مسرت محل مرحوم کی دختروں کی شادی جو شاہزادوں سے ہونے کا کچھ چرچا تھا وہ اس شرط کے ساتھ ہونا سنا جاتا ہے کہ شادا اسلام اختیار کرے اور حبیب عیدروس کے ہاتھ پر بیعت کرے۔ اللہ اللہ! دعیر ٹی، تیمارنی کو مسلمان کر کے شادی کرنا جائز۔ پارسن کو شادی کرنا درست۔ انگریزنی کو شادی کرنا تو گویا رواج۔ ان میں سے کسی کے باپ کو بھی نہ بیعت کرنے کو کہا جاتا ہے نہ مسلم ہونے کے لیے ترغیب دی جاتی ہے مگر بخت شادی گویا ایسی رذیل قوم کا ہے کہ اس کے وہ بھی جن کے ماں مسلم تھے عیب دار سمجھے جاتے ہیں۔ یہ سب باتیں دل خراش گویا شاد کو رسوا کرنے کی ہیں۔ اس زمانے میں احساس نہیں۔ دلی جذبات کو پامال کرنا گویا ثواب ہے۔ دوسری قوموں کو ذلیل کرنا فرض سمجھا گیا ہے"

اس طرح مختلف خطوط میں مہاراجہ نے اپنے دلی تاثرات کو خواجہ صاحب سے واضح بیان کیا ہے اور مختلف موقعوں پر ان سے رائے مشورہ بھی مانگا ہے۔

ظفر علی خاں سے مہاراجہ کی خط و کتابت کا سلسلہ ۱۹۱۸ء سے

شروع ہوا اور عرصۂ دراز تک ان دونوں میں خوش گوار تعلقات قائم رہے۔ ظفر علی خاں کے رسالے "ستارۂ صبح" میں مہاراجہ کی غزلیں شائع ہوئی تھیں۔ مہاراجہ کے جو خطوط شادؔ اقبال میں اقبال کے نام ہیں ان میں اکثر جگہوں پر ظفر علی خاں کا ذکر آیا ہے اور انھیں مہاراجہ نے اپنے قدیم دوستوں میں شمار کیا ہے۔

مولوی عبدالحق کو مہاراجہ ہمیشہ مولوی عبدالحق یا مولوی صاحب سے یاد کرتے تھے۔ مولوی عبدالحق اورنگ کالج کے پرنسپل تھے، مہاراجہ کی آمد پر انھیں سپاس نامہ پیش کیا تھا۔ اس کے جواب میں مہاراجہ نے جو خط لکھا اس کا اقتباس ملاحظہ ہو:

"اورنگ آباد میں مولوی صاحب آپ نے جو کوشش اس کالج کو کامیاب بنانے سے متعلق کی ہے وہ نہایت لائق قدر اور قابلِ تحسین ہے۔ آپ نے اورنگ آباد میں علمی فضا کو قائم کرنے اور اس کو ترقی دینے میں حدود کالج سے باہر بھی جو کوشش کی ہے اس سے اہلِ ملک خوب واقف ہیں اور وہ اُس کی قدر کرتے ہیں علم کی ترقی میں آپ کا وجود ظاہر و باطن میں ہندوستان کی متعدد علمی خدمات کا ذمہ دار ہے۔"

اس عبارت سے اندازہ ہوتا ہے کہ مہاراجہ عبدالحق کی علمی وادبی خدمات کی کس طرح قدر کرتے تھے۔

ہوش بلگرامی سے مہاراجہ کے اچھے مراسم تھے۔ ہوش ۱۹۱۱ء میں

حیدرآباد آئے۔ یہیں سے وہ ایک رسالہ "ذخیرہ" نکالا کرتے۔ اس رسالہ میں دیگر دانشورانِ ادب کے ساتھ مہاراجہ کے مضامین بھی شائع ہوئے تھے ہوش لکھتے ہیں:

میں نے بھی ربع صدی تک مہاراجہ بہادر کے عادات و خصائل کا قریب سے مطالعہ کیا ہے۔ ان کی فطرت سے درس لیا ہے۔ ان کے ادبی ذوق سے لطف اٹھایا ہے۔ ان کے فی البدیہہ اشعار کی داد دی ہے اور ان کی تہذیب سے سبق لیا ہے۔ ان کے مشرقی آداب میں زمانہ ماضی کو دیکھا ہے:

نرسنگ راج عالی مہاراجہ شاد کے خاص مقربوں میں سے ایک ہیں۔ شاد کی تمام محفلوں اور تقریبوں میں ان کی شرکت لازمی تھی۔ مہاراجہ سے تقرب کا ذکر انھوں نے فخریہ طور پر یوں کیا ہے:

"عالی جناب سر مہاراجہ آنجہانی کو نہ معلوم مجھ سے کیوں اتنی محبت تھی کہ وہ مجھے اپنا عزیز خیال فرماتے اور ہمیشہ مشفق و محب کے لقب سے افتخار بخشتے تھے۔ مجھے گھنٹوں ہم کلامی اور ہم نشینی کی عزت حاصل رہی ہے۔ میں انتہائے فخر کے ساتھ یہ عرض کر سکتا ہوں کہ میرا جتنا وقت مرحوم کی پر لطف اور امیرانہ صحبت میں صرف ہوا ہے وہ شاید ہی کسی

دوسرے کو میسّر ہوا ہو۔ ...... مجھ سے نہ کوئی رشتہ
داری تھی نہ کوئی قرابت۔ البتّہ محبت کا وہ رشتہ
غیر متزلزل اور مستحکم ہو گیا تھا جو ٹوٹ نہیں سکتا تھا۔
اور جس کو دنیا کی قوی سے قوی طاقت بھی مٹا نہیں
سکتی تھی۔"

نواب عماد الملک سے مہاراجہ کے چالیس سال سے زیادہ تک روابط رہے۔ ان دونوں کی اکثر ملاقاتیں بھی ہوتیں اور خط و کتابت کا سلسلہ بھی قائم تھا۔ عماد الملک اردو کے بلند پایہ ادیب تھے ساتھ ہی انگریزی اور عربی زبان پر بھی عبور کامل رکھتے تھے۔ ان دونوں کے غیر مطبوعہ خطوط دیکھنے سے پتہ چلتا ہے۔ ان میں بے حد خلوص تھا اور یہ دونوں ایک دوسرے کی علمی و ادبی صلاحیتوں کو مانتے تھے۔ عماد الملک کے نام مہاراجہ کے ایک خط کے اقتباس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ عماد الملک سے ملنے کے کس قدر مشتاق تھے۔

"فقیر کا بھی بہت جی چاہتا ہے کہ گاہے ماہے جناب
کے فیضِ صحبت سے مستفیض ہوں مگر بارِ خاطر ہونے
کا خیال ہر وقت سدِّ راہ ہوتا ہے۔ اگر میری حاضری
مخل اوقات نہیں سمجھی جاتی تو مہینہ میں کم از کم ایک زیادہ
سے زیادہ دو مرتبہ آ کر صرف آپ کی مزاج پرسی کیا کروں۔
یہ آپ کی مرضی پر منحصر ہے۔"

عماد الملک کا ایک خط مہاراجہ شاد کے نام ہے۔ اس خط سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ شاد سے ملنے کس قدر بے چین ہیں:

"جناب والا کوئی دن ایسا نہیں گزرتا کہ جناب کی یاد دل میں جاگزیں نہ ہوتی ہو۔ سخت حسرت و افسوس ہوتا ہے کہ ایک مدت سے جناب کی ملاقات سے مشرف نہیں ہوا۔ پاؤں کے درد نے اس قدر مجبور کر رکھا ہے کہ خود حاضر نہیں ہو سکتا۔ جناب والا خوب جانتے ہیں کہ جس قدر وسیع وثیق تعلق میرے دل کو جناب والا کے ساتھ ہے وہ کسی اور کے ساتھ نہیں ہے۔"

تاجور نجیب آبادی سے مہاراجہ کی ملاقات ۱۹۲۳ء میں ہوئی تھی۔ مہاراجہ کے خطوط کی فائل میں تاجور کا لکھا پہلا خط موجود ہے جو ۱۹۲۳ء میں لکھا گیا ہے۔ اقتباس ملاحظہ ہو:

"... مختلف احباب کی زبانی جناب کی صفات، حدیث متواتر کی حیثیت میں مجھ تک پہنچی ہیں۔ اس لیے شوق زیارت سے اپنے دل کو معمور پاتا ہوں۔ باریابی کی اجازت پاؤں تو شہپر شوق سے اڑ کر حاضر ہوں۔ امیر الامرا نواب نجیب الدولہ کی بقیۃ السیف اولاد میں سے ہوں۔ یعنی شکستہ حالی میں بھی خودداری کا خلل دماغ میں باقی ہے اس لیے امیر مرحوم کی زبان میں:

خدا کے گھر بھی جائیں گے بے بلائے ہوئے

تاجور نے ایک اور خط میں مہاراجہ شاد سے درخواست کی ہے کہ جہاں وہ دوسرے رسالوں میں اپنے مضامین اور غزلیات وغیرہ بھیجتے ہیں وہیں مخزن کے لیے بھی اپنی ادبی تخلیقات روانہ کریں۔ اس تعلق سے مہاراجہ نے اپنے سکریٹری کو ہدایت کی کہ "مخزن" ان کے نام جاری کروائیں اور تاجور صاحب کو مطلع کریں کہ رسالہ دیکھنے کے بعد مضامین بھیجے جائیں گے۔

آغا شاعر قزلباش مہاراجہ کی ادبی نشستوں میں اکثر مدعو کیے جاتے تھے۔ مہاراجہ انھیں ماہانہ کچھ رقم بطور امداد دیا کرتے تھے۔ آغا شاعر قزلباش کا ایک طویل خط مہاراجہ شاد کے نام دستیاب ہوا ہے جس میں انھوں نے اپنی کتاب "شراب الصالحین" کی اشاعت کے لیے رقمی امداد طلب کی ہے۔ خط کا اقتباس یہ ہے:

> "شراب الصالحین یعنی منظوم ترجمہ رباعیات حکیم عمر خیام نیشاپوری کو رباعی کا جواب رباعی میں اس قوت سے تین برس کامل خونِ جگر ٹپکا کر پورا کیا ہے۔ اگر یہ چیز میری زندگی میں چھپ گئی تو حضور ملاحظہ فرمائیں گے کہ اردو لٹریچر میں کیا روح پھونک دی گئی ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اس ناقدر زمانے میں کوئی علمی امداد کرنے والا بھی نہیں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ سرکار ذرا انصاف کریں۔ اگر یہ چیز خدانخواستہ نہ چھپی اور میں مرگیا

تو پھر تین برس کامل جو راتیں کالی کی ہیں وہ اکارت ہی گئیں نا؟ اس لیے خیر نہیں کوئی قرضہ نہیں۔ اگر سرکار اس علمی امداد کو حیات جاودانی خیال فرما سکیں تو سب سے پہلی فرصت میں جو کچھ امداد ہو سکے بذریعہ تار کرامت فرمادیں۔

عاجز کمترین چراغ سحر
افسر الشعرا
آغا شاعر قزلباش دہلوی

مہاراجہ شادنے اس طویل عریضے کا جواب یہ لکھوا دیا کہ اسٹیٹ زیر بار ہے اس لیے وہ رقمی امداد دینے سے قاصر ہیں۔ کتاب کی اشاعت کے بعد چھ نسخے خریدنے کا انھوں نے وعدہ کرلیا۔

عبدالجبار خاں آصفی اردو اور فارسی کے بلند مرتبہ شاعر تھے مہاراجا اپنے فارسی کلام پر ان سے اصلاح لیتے تھے۔ حیدری گشتی کتب خانے سے مجھے خطوط کی جو فائلیں دستیاب ہوئی تھیں ان میں عبدالجبار خاں آصفی کے بھی کئی خطوط ہیں۔ ایک خط میں لکھتے ہیں:

"مثنوی دیکھ چکا ہوں۔ انشاء اللہ کل تک نظر ثانی کی تکمیل ہو کر چار بجے تک ملاحظہ انور میں پیش کردی جائے گی۔ شعر گوئی آسان ہے مگر اس پر نظر ڈالنی مقتضی تاخیر ہے کہ الفاظ کی تلاش اور اس کی نشست بجائے دیگر الفاظ دقت طلب امر ہوتا ہے۔ سرکار پر یہ امر روشن ہے۔"

اسی طرح اور کئی خطوط ہیں جن کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ عبدالجبار خاں آصفی نے شاد کے کلام پر اصلاح دیتے ہوئے ان کی شعری صلاحیتوں کو سراہا ہے۔

عبدالماجد دریابادی جامعہ عثمانیہ میں دارالترجمہ کے رکن کی حیثیت سے کام کرتے تھے۔ اس لیے ایسے علم دوست ادیب سے مہاراجہ کے مراسم لازمی تھے۔ حیدرآباد سے جانے کے بعد بھی عبدالماجد دریابادی اور مہاراجہ کی خط وکتابت کا سلسلہ جاری رہا۔ عبدالماجد دریابادی کو مہاراجہ "شادنواز" سے مخاطب کرتے اور وہ مہاراجہ کے لیے "ماجدنواز حضرت شاد" جیسے القاب لکھا کرتے۔

مہاراجہ کی محفل شعرگوئی میں ماہرالقادری سب سے کم عمر شاعر تھے ۱۹۲۸ء میں حیدرآباد آنے کے بعد مہاراجہ کے یہاں جب باریاب ہوئے تو انھیں اتنی قدر ومنزلت ملی کہ حیدرآباد ہی کے ہوکر رہ گئے۔ مہاراجہ کے انتقال کے بعد حیدرآباد سے واپس ہوئے۔ انھوں نے مہاراجہ کی وفات کے بعد ایک نظم لکھی تھی۔ اس نظم سے ان کے دلی جذبات اور تاثرات غم کا اندازہ ہوتا ہے نظم کا آخری شعر یہ ہے:

محفل ہستی سے تو کیا اُٹھ گیا
وضعداری کا جنازہ اُٹھ گیا

جوش ملیح آبادی سے بھی مہاراجہ کے اچھے روابط تھے۔ ان دونوں میں خط وکتابت کا سلسلہ بھی تھا ــــ جوش کے جو خطوط دستیاب ہوئے ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ ان کے خانگی حالات سے بھی واقف تھے۔ مشاعروں میں جوش کی شرکت زندہ دلی اور شگفتگی کا سماں پیدا کر دیتی۔

نیاز فتح پوری سے مہاراجہ کے تعلقات کا اندازہ ان دونوں کے خطوط سے ہوتا ہے جو وقتاً فوقتاً لکھے گئے ہیں۔ ان دونوں کے کئی خطوط دستیاب ہوئے ہیں جن میں مختلف موضوعات پر تبادلہ خیال کیا گیا ہے۔ نیاز فتح پوری کی مہاراجہ سے پہلی ملاقات ۱۹۱۸ء میں ہوئی اس کے بعد سے ملاقات اور خط وکتابت کا سلسلہ برابر جاری رہا۔ نیاز صاحب کے بعض خطوط ایسے ہیں جن میں انھوں نے مہاراجہ سے ملنے کا بار بار اشتیاق ظاہر کیا ہے اور یہ وہ زمانہ ہے جب کہ حیدرآباد میں طاعون کی وبا شدت سے بڑھ گئی تھی۔ مہاراجہ خود اور لوگوں کی طرح نقل مقام کر چکے تھے۔ ایسی صورت میں نیاز صاحب کے آنے کی خواہش مہاراجہ کے لیے یقیناً پریشان کن تھی۔ وہ متردد ہو جاتے کہ کس طرح ان کی میزبانی کا اہتمام ہو سکے گا۔ نیاز فتح پوری اپنے ایک خط میں لکھتے ہیں :

نور محل۔ بھوپال

مطاعی الاعز

غالباً جناب ہوش بلگرامی کی تحریر سے حضرت کو معلوم ہو جائے گا کہ میری آرزوئے قدم بوسی جسے عرصے سے دل میں لیے ہوئے ہوں اب تکمیل کے لیے بے تاب ہے اور آخیر فروری میں حاضری کا ارادہ استوار ہو چکا ہے لیکن قبل اس کے کہ روانہ ہوں ضروری ہے کہ حضور کو بھی اس کی اطلاع دے دوں اور اجازت باریابی حاصل کر لوں۔ اس وقت تک حاضری میں تعویق صرف اس وجہ سے ہوئی کہ جناب ہوش بلگرامی کی معیت کا خیال تھا۔ لیکن چونکہ ان کا ارادہ برابر ملتوی ہوتا جا رہا ہے اس لیے بالوصل ہر کرب تنہا شرف ملاقات حاصل کرنے پر مجبور ہوں۔۔ خدا کرے کہ بسند گان ہمایوں

کا اشرف مجھے جلد فرمان باریابی حاصل ہو اور میں اس سعادت سے جلد بہرہ یاب ہو سکوں۔"

خاکسار۔ نیاز فتح پوری

اس خط پر مہاراجہ نے اپنے منتظم سید صادق حسین غبار کو جو نوٹ لکھا ہے وہ بڑا دلچسپ ہے۔ مہاراجہ لکھتے ہیں :

"غبار صاحب! کیا جواب دیا جائے۔ نیاز صاحب آئیں گے تو ضرور مہمان کرنا ہوگا۔ کوئی مکان اس قابل نہیں ہے۔"

نیاز فتح پوری کے بعض خطوط ایسے بھی ملتے ہیں جن میں انھوں نے مہاراجہ سے درخواست کی ہے کہ وہ ان کی ملازمت وغیرہ کے سلسلے میں متعلقہ اصحاب کو سفارشی خطوط لکھیں۔ مہاراجہ نے ہر بار اس کی تکمیل کی ہے اور جس حد تک ممکن ہوا ان کی مدد کرنے کی کوشش کی ہے۔ نیاز فتح پوری مہاراجہ سے بے حد متاثر تھے، ان سے خلوص رکھتے تھے اور ادب کرتے تھے۔ نیاز صاحب کی مخاطبت کی نمایاں خصوصیت القاب کی عربیت ہے۔ وہ مہاراجہ کو عموماً "سرکار والا" "مطاعی الاعز" "مفخمی و مطاعی" "مطاعی و محترمی" جیسے القاب سے مخاطب کرتے تھے اور حد درجہ انکسار کا ثبوت دیتے ہوئے اپنے نام کے ساتھ ہمیشہ "خادم" "خاکسار" یا "عقیدت مند" لکھا کرتے تھے۔ انھوں نے ایک خط میں مہاراجہ کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے :

"میں یہاں پہنچ گیا، لیکن اس حال میں کہ میرا ریشہ ریشہ سرکار

کے خسروانہ الطاف و کرم سے گراں بار ہے۔ اور میں حیران کہ اپنے جذباتِ نیایش کا اظہار کن الفاظ میں کروں۔ حقیقت یہ ہے کہ سرکار والا کی ذات اس وقت نہ صرف حیدرآباد بلکہ سرزمین ہند میں ایک ایسی عجیب و غریب ذات ہے کہ اگر آج تمام لوگ اس بلند اخلاق کو سامنے رکھیں تو دنیا پھر کھوئے ہوئے امن وسکون کو واپس لا سکتی ہے۔ کسی شخص میں کوئی خوبی ہوتی ہے کسی میں کوئی۔ لیکن اتنی صفاتِ حسنہ کا اجتماع حقیقت یہ ہے کہ فطرت کا اعجاز ہے۔"

خاکسار۔ نیاز فتح پوری

مہاراجہ کی رحم دلی اور سخاوت سے بعض وقت لوگ بے جا فائدہ اٹھاتے تھے یعنی ان کے پاس اتنے سفارشی خطوط آتے کہ اگر وہ ہر ایک کی ضرورت پوری کرتے تو شاید قارون کا خزانہ بھی کافی نہ ہوتا۔ ہر شخص خود اپنے لیے یا اپنے کسی عزیز یا جان پہچان والے کے لیے سفارشی خط لکھتا تھا اور مہاراجہ حتی الامکان یہ کوشش کرتے کہ ہر کسی کی درخواست پر غور کر کے اس کی ضرورت پوری کر دیں۔ بہ صورتِ مجبوری وہ انکار بھی کر دیتے۔ نیاز فتح پوری کے چند خطوط ایسے ہیں جن میں انھوں نے سید حسن اسمعیل نامی ایک صاحب کے لیے بطورِ خاص سفارش کی ہے اور اصرار کیا ہے کہ مہاراجہ کسی طرح انھیں اپنی اسٹیٹ سے منسلک کر لیں۔

نیاز صاحب کا خط درج ذیل ہے:

سطاحی الاعز

"نامۂ گرامی کا شکریہ۔ چوں کہ حاضریٔ آستانہ کا عزم قوی تر ہوتا جارہا ہے اس لیے "گہوارۂ تمدن" خود ہی پیش کردوں گا۔ اگر خدانخواستہ کامیاب نہ ہوا تو پھر ذریعۂ ڈاک بدرجۂ مجبوری روانہ کروں گا جن صاحب کے بارے میں نے لکھا تھا ان کا اسم گرامی سید حسن اسمٰعیل ہے اور نواب صدیق حسن خاں صاحب مرحوم کے قریبی عزیز ہوتے ہیں پہلے ریاست بھوپال سے ان کا معقول منصب مقرر تھا۔ لیکن جب یہاں کی سیاسی آب و ہوا میں انقلاب پیدا ہوا تو منصب بند ہوگیا اور یہ سلسلۂ ملازمت عرصہ تک پیشکار وزارت مال اور تحصیلدار درجہ اول کام کرتے رہے اور اپنی خدمات کو نہایت قابلیت کے ساتھ انجام دیا۔ چوں کہ فطرتاً نہایت غیور واقع ہوئے ہیں اس لیے بعض ناگوار واقعات کی بنا پر ترک ملازمت کرکے خانہ نشین ہوگئے۔ مال اور فوجداری کے کام کا نہایت اچھا تجربہ ہے اور سب سے بڑی خصوصیت جس کی آپ کو ضرورت ہے یہ ہے کہ انتہائی شریف النفس اور نہایت فرض شناس طبیعت رکھتے ہیں۔

مجھے یقین ہے کہ حضرت کی ریاست میں ان کی خدمات مفید ثابت ہوں گی۔ اپنے حالات کے متعلق جو خط انھوں نے

مجھ کو لکھا ہے وہ بھی بغرضِ ملاحظہ پیش کرتا ہوں۔ امید ہے کہ مزاجِ گرامی بخیر ہوگا۔"

خادم۔ نیاز فتح پوری

اس خط میں نیاز صاحب نے سفارش کے لیے کوئی سر اٹھا نہیں رکھی۔ صاحبِ موصوف کی ظاہری و باطنی خوبیاں گنا دی ہیں۔ ان کی فرض شناسی اور شریف النفسی کی قصیدہ خوانی بھی کی ہے۔ اس کے باوجود مہاراجہ مجبور تھے۔ حالات کچھ ایسے تھے کہ وہ انھیں اپنی اسٹیٹ میں کہیں بھی ملازمت نہیں دے سکتے تھے۔ اس لیے مہاراجہ نے دوستی اور مروّت کو بالائے طاق رکھ کر صاف صاف لکھ دیا کہ وہ فی الحال ان کی سفارش کو پوری نہیں کر سکتے۔ مہاراجہ کا خط ذیل میں دیا جاتا ہے۔

نیاز شاد نواز

"وصول نامۂ مودّت رقم زدۂ ۲۰ دسمبر ۱۹۱۹ء موجبِ انبساط ہوا۔ یوں تو ابتدائے زمانۂ تعارف سے شاد کو آپ کی ملاقات کا انتظار اور شوق بڑھا ہوا ہی تھا مگر:

وعدۂ وصل چوں شود نزدیک
آتشِ شوق تیز تر گردد

۱۹ء ختم ہو کر ۲۰ء کا آغاز ہو گیا مگر دیکھیے یہ بیس کا نقش کب تک اپنا اثر دکھاتا ہے۔ سید حسن اسمٰعیل صاحب کے متعلق آپ کی اور ان کی تحریر سے کیفیت معلوم ہوئی۔ فی الحقیقت

قابل قدر نثر دیں لیکن فقیر شاد کی مختصر سی اسٹیٹ ان کی کیا خدمت کر سکتی ہے۔ رہی ریاست دکن اس کے پیشتر بھی تحریر کر چکا ہوں کہ دو تین سال سے بالکل ممنوع السّعی کر دیا گیا ہوں۔ ورنہ آپ کی سفارش اور ان کی قابلیت شاد کو ان کے لیے ضرور مجبور کرتی۔ گزشتہ ہفتہ عشرہ میں شاد کو انفلوئنزا نے پریشان کر دیا تھا مگر بفضلہٖ اب صحت ہے۔ صرف نقاہت باقی رہ گئی ہے وہ بھی انشاء اللہ دفع ہو جائے گی۔ گہوارۂ تمدن کے مطالعہ کا انتظار بھی بے چین کر رہا ہے۔ امید ہے کہ وہ گہوارہ خالی نہ ہوگا بلکہ طفل معاشرت پینگیں لے رہا ہوگا۔ یقین ہے کہ آپ معہ الخیر والعافیت ہوں گے۔"

"گہوارۂ تمدن" نیاز فتح پوری کی تصنیف ہے۔ مہاراجہ نے اس کا ذکر کرتے ہوئے "گہوارۂ تمدن" کی مناسبت سے "طفل معاشرت" کی ترکیب استعمال کی ہے۔

نیاز فتح پوری نگار کے ایڈیٹر تھے۔ اس پرچہ کی علمی و ادبی اہمیت سے کسی کو انکار نہیں۔ مہاراجہ بھی اس کے شیدائی تھے اور اس کا مطالعہ خاص دل چسپی سے کیا کرتے تھے۔ مہاراجہ نے اپنے ایک خط میں ازراہ ادب نوازی، علم دوستی اور ہمت افزائی نگار کی تعریف کی تھی اور نگار کے خریدار بن کر چندہ روانہ کیا تھا۔ اس کے جواب میں نیاز صاحب لکھتے ہیں:

بھوپال - ۲۵ فروری ۱۹۲۴ء

مطاعی الاعز

"میں ایک مہینہ کے بعد کل یہاں واپس آیا ہوں کس قدر ندامت ہے کہ نامۂ گرامی کا جواب تعویق سے دیا جارہا ہے۔ نگار کے متعلق جن خیالات کا اظہار حضرت نے فرمایا ہے انھیں میں اپنے لیے باعثِ فخر و ناز سمجھتا ہوں۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر حضرت حوصلہ افزائی نہ فرمائیں تو مجھ سا تہی مایہ شخص کیا کرسکتا ہے۔ نگار کے پچھلے پرچے بالکل نہیں رہے تاہم کوشش کررہا ہوں کہ ایک جلد مرتب کرکے پیش کروں۔ لیکن وی پی بھیجنا میرے اختیار میں نہیں ہے اور نہ میں ایسی جرارت کرسکتا ہوں۔ اب بھی جو کچھ نگار کے پاس ہے وہ حضرت ہی کا صدقہ ہے۔ "جذبات بھاشا" کی ایک کاپی ذریعہ رجسٹری پیش کرتا ہوں۔ چندہ کی رقم کا بمد امانت جمع ہونا اس لیے ہے کہ نگار حضرت سے چندہ وصول کرنے کے لیے آمادہ نہیں۔ کیا ہم لوگوں کے لیے یہ خیال کم باعث مسرت ہے کہ حضرت اس پر لطف فرماتے ہیں اور کیا حضرت کی سرپرستی ہمیں نگار کے مستقبل کی طرف سے بے نیاز بنا دینے والی نہیں ہے کہ چندہ طلب کیا جائے۔ حضرت کی طرف سے اس رقم میں ایک یتیم خانہ کے نام نگار جاری کردیا گیا ہے

عقیدت مند۔ نیاز فتح پوری

اور ناقابلِ برداشت صعوبت "

نیاز مند دیرینہ

نیاز فتح پوری

مہاراجہ خود ایک اچھے شاعر اور بلند پایہ نثر نگار تھے۔ چناں چہ سو سے زیادہ تعداد میں انھوں نے نظم و نثر میں اپنے کارنامے بطور یادگار چھوڑے ہیں۔ وہ ادیبوں اور شاعروں کی حوصلہ افزائی کرتے تھے۔ معیاری کتابوں کا مطالعہ کرتے اور اپنے ذاتی کتب خانہ میں محفوظ بھی رکھتے۔ نیاز صاحب مہاراجہ کی اس قدردانی سے خوب واقف تھے چناں چہ انھوں نے مرزا مظہر جانجاناں کے دیوان کے ایک قلمی نسخہ کا ذکر کیا ہے جسے وہ مہاراجہ کو بطورِ تحفہ دینا چاہتے تھے وہ لکھتے ہیں:

اختر منزل۔ ہانسی (حصار)

۲۹ / نومبر ۲۳ء۔

مطاعی و محترمی

بجز اقبول ہو۔

"میرے پاس ایک قلمی نسخہ حضرت مرزا مظہر جانجاناں کے دیوان فارسی کا ہے اس میں ایک خصوصیت تو یہ ہے کہ میر حکیم الحسینی کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے جو سرآمد خوشنویسانِ خطِ شفیعہ تھے۔ اور اس لیے اس وقت اس سے بہتر نمونہ اس خط کا نظر نہیں آسکتا۔ دوسری خصوصیت جس نے

اس نسخہ کو بے مثل بنا دیا ہے وہ یہ ہے کہ خود حضرت مصنف نے اس کو ملاحظہ فرما کر اپنے دست مبارک سے تصحیح و تصدیق فرمادی ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ یہ تحفہ جناب کی خدمت میں پیش کروں اور اس کے عوض سوائے اس کے اور کچھ نہیں چاہتا کہ زندگی کے بقیہ ایام ایک پُر قناعت زیست کے ساتھ کسی گوشے میں بسر کروں۔ اگر جواب سے سرفراز کیا گیا تو میرے لیے باعث صد افتخار ہے۔"

خادم

نیاز محمد خاں نیاز

فتح پوری

نگار کے ایڈیٹر ہونے کی حیثیت سے نیاز فتح پوری یہ چاہتے تھے کہ وہ اس پر اپنی ساری توجہ مبذول کر کے اس کے معیار کو اعلیٰ سے اعلیٰ بنائیں۔ یہ اسی صورت میں ممکن تھا جب کہ وہ ملازمت کی پابندیوں سے آزاد ہوتے۔ نیاز صاحب کا منشا یہ تھا کہ ان کی تنخواہ کو تعلیمی وظیفہ کی شکل دے دی جائے اور سرکاری ملازمت کا بار ان کے سر سے ہٹا دیا جائے۔ اس سلسلے میں وہ مہاراجہ سے سفارش کروانا چاہتے تھے۔ نگار کے تعلق سے اپنی ادبی خدمات کا ذکر کرتے ہوئے ایک طویل خط انھوں نے مہاراجہ کو لکھ بھیجا اس خط کے پڑھنے کے بعد اندازہ ہوتا ہے کہ نیاز صاحب نے مہاراجہ کو سفارش کے لیے کتنا مجبور کیا تھا۔

ایسی صورت میں مہاراجہ کے لیے ناممکن تھا کہ وہ نیاز صاحب کی ذہنی الجھنوں اور پریشانیوں کو دور نہ کرتے۔ ذیل میں نیاز صاحب کا وہ طویل خط نقل کیا جاتا ہے:

نور محل۔ بھوپال

۲۵/۶

مطاع الاعز۔

"میں اس زمانہ میں اس درجہ "رہین ستم ہائے روزگار" رہا کہ اپنی حیات کو مستقل بے حیائی سمجھنے لگا ہوں ان کی تفصیل سے اوقاتِ گرامی کو خراب کرنا نہیں چاہتا کہ یوں بھی مجھے حضرت کے افکار کا علم ہے، لیکن پھر بھی مجبور ہوں کہ حضرت کو ایک خاص معاملہ میں توجہ دلا کر اعانت کا طلب گار ہوں۔

حضرت کو یاد تو نہ ہوگا، لیکن میرے دل میں ہنوز وہ نقش تازہ ہے، جب اب سے چھ سات سال قبل جناب نے ہز ہائنس، نواب محمد حمید اللہ خاں بہادر کے نام (جب وہ ہز ہائنس نہ تھے) میرے متعلق ایک تحریر روانہ فرمائی تھی اور اس کی بنا پر تصنیف و تالیف کی خدمت کے لیے مجھے منتخب کیا گیا تھا۔ لیکن جو اصل مقصود تھا وہ حاصل نہ ہوا تھا کیوں کہ ملازمت کی حیثیت میری بدستور

قائم رہی اور ہے۔ ضرورت تھی کہ میری موجودہ تنخواہ (سو روپیہ)
جو یوں بھی کچھ زائد نہیں ہے وظیفہ علمی کی صورت اختیار
کرتی اور میں ملازمت کی پابندیوں سے بے نیاز ہو جاتا۔
ہر چند ہز ہائینس حال کا بھی منشا یہی تھا لیکن دفتری
الجھنوں میں اس کی صورت بدل گئی۔ بہر حال اب چونکہ
جدید انتظامات در پیش ہیں اور موقع ہے کہ یہ مسئلہ بھی
طے کر لیا جائے اس لیے میں پھر حضرت کو تکلیف دیتا
ہوں۔ اگر جناب نے براہ راست ہز ہائینس سکندر صولت
افتخار الملک نواب حاجی محمد حمید اللہ خاں بہادر بالقابہ کو
تحریر کر دی تو کامیابی یقینی ہے اور اگر یہ مناسب نہ ہو تو نواب
زادہ سعید الظفر خاں بہادر (جنرل مرحوم کے صاحبزادے)
کو لکھ دیجیے کہ وہ اپنے فرماں روا چچا سے ذرا ضد کر کے اس
کام کو حسب منشا طے کرا دیں۔ نواب زادہ صاحب موصوف
مجھ پر عنایت فرماتے ہیں لیکن حضرت کے لکھنے کا جو اثر
ہو سکتا ہے وہ ظاہر ہے۔ سفارشی تحریر میں میری دیگر علمی
خدمات کے ساتھ نگار کا تذکرہ خصوصیت کے ساتھ
ہونا چاہیے جس سے ہز ہائینس اس کی اہمیت کو سمجھ سکیں
اور معلوم کر سکیں کہ اس سے بہتر علمی خدمت میں اور کوئی انجام
نہیں دے سکتا۔

حضرت، بات یہ ہے کہ بھوپال میں رہ کر نگار کو ترقی کسی طرح ممکن نہیں ہو سکتی اور میں بے تاب ہوں کہ کسی طرح لکھنؤ یا دہلی جاکر اس کو اس کے حقیقی معیار پر لے آؤں، لیکن یہ اسی وقت ممکن ہے جب یہاں کی ملازمت کی پابندیوں سے آزاد ہو جاؤں، سو اس کی دو ہی صورتیں ہیں، استعفا دوں یا موجودہ مشاہرے کو علمی وظیفہ کی صورت میں منتقل کراؤں۔ اول صورت پر عمل کرنے سے نگار کا چلنا دشوار ہے اور دوسری صورت میں اسی وقت کامیابی ہو سکتی ہے جب حضرت توجہ فرمائیں۔

حضرت ان کو لکھیں کہ علمی خدمت کرنے والوں کے لیے پابندی مناسب نہیں، چناں چہ حیدرآباد میں بھی جن کو علمی وظائف ملتے ہیں وہ آزاد ہیں اور آزادی کے ساتھ ہی وہ اچھا کام کر سکتے ہیں۔ بہرحال اب میں اس مسئلہ کو جناب ہی کے سپرد کرتا ہوں، جس طرح اور جس ذریعہ سے مناسب ہو اس کو انجام تک پہنچا دیں۔ میں زیادہ سے زیادہ یہی کر سکتا ہوں کہ حضرت کے سمع مبارک تک اپنے حالات پہنچا دوں۔

خاکسار

نیاز فتح پوری

یہ خط اتنا طویل اور بظاہر غیر دلچسپ ہے کہ ہمارا جیسے ہیں علم الغرض

انسان کے لیے اس کا پڑھنا اور اس کا جواب دینا ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے۔ لیکن مہاراجہ چوں کہ ادیبوں اور شاعروں کے قدرداں تھے اور خصوصاً نگار کے بڑے قدرداں تھے اسی لیے نیاز صاحب نے نگار کی ادبی اہمیت کو بتاتے ہوئے اور ملازمت کی دشواریوں کا ذکر کرتے ہوئے "استعفا" کی جو دھمکی دی ہے وہ قابلِ غور ہے اور بڑی حد تک دل چسپ بھی ہے دوسرے معنوں میں وہ مہاراجہ کا استحصال کر رہے تھے۔ انھیں یقین تھا کہ اگر نیاز صاحب استعفا دے دیں گے تو مالی پریشانیوں کی وجہ سے پرسکون زندگی نہ گزار سکیں گے۔ اور جب سکون میسر نہ ہوگا تو نگار علم و ادب کی بلندیوں کو نہ چھو سکے گا۔ چناں چہ مہاراجہ نے اس خط کو پڑھنے کے بعد ایک سفارشی خط ہز ہائی نس کو لکھ بھیجا جس میں نیاز صاحب کی علمی صلاحیتوں کا ذکر کرتے ہوئے نگار کی ادبی خوبیوں کو اجاگر کیا ہے۔ حتیٰ الامکان یہ کوشش کی ہے کہ کسی طرح ہز ہائی نس اس بات پر مجبور ہو جائیں کہ نیاز صاحب کو ملازمت کی پابندیوں سے آزاد کرکے انھیں ایک تعلیمی وظیفہ مقرر کر دیں۔

اس خط کے بعد نیاز صاحب نے جو خط بھیجا وہ بھی ان کی پریشان کن داستان سے بھرا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنی ہر ذہنی الجھن میں مہاراجہ کو بھی برابر کا شریک رکھنا چاہتے تھے۔ بار بار زحمت دینے کا شدید احساس رکھتے ہوئے بھی وہ زحمت دینے پر مجبور تھے گویا یہ ان کی ایک عادت سی بن گئی تھی۔ نیاز صاحب کا خط درج ذیل ہے:

محتاجِ الاعزاز امک اللہ بالعزو الاقبال

"میرا معاملہ ہنوز بیم و رجا کی منزل میں ہے۔ تازہ انقلاب یہاں یہ ہوا کہ سراسرار حسن خاں صاحب ممبر تعلیمات ہوگئے ہیں اور چوں کہ شعبۂ تصنیف و تالیف بھی تعلیمات میں شامل ہے اس لیے اگر یہ چاہیں تو آسانی سے میرا معاملہ طے ہوسکتا ہے۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ حضرت کے مراسم سراسرار حسن خاں صاحب سے بہت وسیع ہیں اسی لیے اگر میرے متعلق جناب ان کو تحریر فرما دیں تو کامیابی کی امید ہے۔

تحریر کا مضمون وہی ہونا چاہیے جو جناب نے ہز ہائنس کے نام کی تحریر میں درج فرمایا تھا لیکن اس تحریر میں آپ زیادہ قوتِ اصرار سے بھی کام لے سکتے ہیں۔ ان کے نام کی تحریر میرے پاس بھجوا دیجیے میں خود اس کے ذریعہ عمل لوں گا۔ مجھے گھڑی گھڑی حضرت کو تکلیف دیتے شرم آتی ہے لیکن کیا کروں۔

کرم ہائے تو ما را کرد گستاخ

خاکسار نیاز فتح پوری

نیاز فتح پوری کے ان خطوط کو پڑھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ مہاراجہ کا بے حد ادب و لحاظ رکھتے تھے۔ انھیں مہاراجہ سے کچھ ایسا انس تھا جس کی بنا پر بعض وقت وہ بے اختیار اپنے جذبات کا اظہار

دیتے تھے۔ مہاراجہ کے خطوط کی تاخیر کو وہ اپنے لیے ہلاکت کا باعث سمجھتے تھے۔ مہاراجہ سے ان کا کوئی راز پوشیدہ نہ تھا۔ اپنی معمولی سی پریشانی کا اظہار بھی وہ بذریعۂ خط کر دیتے تھے۔ جب انھیں یقین ہوتا کہ ان کا کوئی کام مہاراجہ کے توسط سے بن سکتا ہے تو وہ ان کا پیچھا نہیں چھوڑتے تھے مسلسل خطوط کی بارش کر دیتے اور مہاراجہ کو یہ احساس دلاتے کہ ان کی سفارش ہی سب کچھ ہے۔ وہ مہاراجہ سے بے پناہ انس ومحبت کا اظہار اکثر تحفے تحائف بھیج کر کیا کرتے تھے۔ چنانچہ ان کے خطوط میں چٹنی، اچار اور تمباکو جیسی چیزوں کا بھی ذکر ملتا ہے۔ تحفہ بھیجنے کے بعد وہ منتظر رہتے کہ مہاراجہ جوابی خط میں اس تحفہ کی تعریف کریں۔ ذیل میں نیاز فتح پوری کا وہ خط نقل کیا جاتا ہے جس میں تمباکو بھیجنے کا ذکر ہے۔ نیز مہاراجہ کی مشہور مثنوی "پریم درپن" کی اشاعت کا بھی ذکر ملتا ہے۔ اس مثنوی کو نیاز فتح پوری نے طبع کروایا تھا۔

دفتر رسالہ "نگار"۔ لکھنو

۸ / مئی سنہ ۳۰ء

سرکار والا۔

"اس سے قبل ایک عریضہ حضور میں ذریعہ رجسٹری پیش کر چکا ہوں۔ ملاحظۂ اقدس سے گزرا ہوگا۔ اس عریضہ کے ساتھ اسیر تماکو کی بلٹی روانہ کرتا ہوں۔ یہ وہی تماکو ہے جو سرکار نے پسند فرمایا تھا اور اب میں نے خاص اہتمام سے تیار کروایا ہے۔ میں علیل ہو گیا تھا اس لیے اس سے قبل نہ

بھیج سکا۔ اس کی قیمت ادا کر دی گئی ہے۔ محصول ریل برخیال تحفظ ادا نہیں کیا گیا۔ امید ہے کہ سرکار والا اس ہدیۂ حقیر کو قبول فرما کر معزز فرمائیں گے۔ پریم درپن کی تصاویر تیار ہو رہی ہیں۔ انشاء اللہ اخیر جون میں خود حاضر ہو کر پیش کروں گا۔

یہاں سے ایک رسالہ انکشاف ایک آنہ فنڈ سے نکلتا ہے۔ ایک آنہ فنڈ کی انجمن غربا کی تعلیم، یتامیٰ وغیرہ کی امداد کرتی ہے۔ اس رسالہ کے ایڈیٹر متمنی ہیں کہ سرکار والا کی کوئی غزل شائع کریں اور شبیہ مبارک بھی۔ اگر سرکار ان کو اجازت دے دیں گے اور کوئی تازہ غزل مرحمت فرما دیں گے تو اس انجمن کی عزت افزائی ہو جائے گی۔ سرکار کی جو شبیہ میں لایا تھا اس کا بلاک بن گیا ہے۔ وہی پریم درپن میں دے دی جائے گی۔ اور وہی رسالہ انکشاف میں بھی۔ امید ہے کہ بنگلور کی آب و ہوا سرکار کے لیے صحت بخش ثابت ہوئی ہوگی۔ ایام دولت و اقبال مستدام!

خاکسار

نیاز فتح پوری

اس کے بعد نیاز فتح پوری نے ایک اور خط لکھا جس میں اپنے ایک مضمون "سرزمینِ دکن کی دل نواز شام" کا ذکر کیا ہے۔ نیاز صاحب

یہ مضمون "نگارستان" میں چھپ چکا ہے۔ نگارستان ان کے ادبی مقالوں اور افسانوں کا مجموعہ ہے۔ نیاز صاحب کا خط ملاحظہ ہو۔

دفتر نگار۔ لکھنؤ۔ ۱۲ رمئی ۳۰ء

سرکار والا

"تماکو کی بلٹی غالباً پہنچ گئی ہوگی۔ اگر سرکار کو یہ تماکو پسند آیا ہو تو مطلع فرمایا جائے تاکہ اور بھیج دوں اور اگر اس میں کوئی نقص رہ گیا ہو تو بھی ارشاد ہو کہ اس کو دور کرانے کی کوشش کروں۔

آج کی ڈاک سے رسالہ نگار ماہ مئی ۳۰ء کا ذریعہ رجسٹری ارسال خدمت گرامی ہے۔ ملاحظات کے سلسلہ میں ایک اور مضمون میں جو "سرزمین دکن کی ایک دل نواز شام" کے عنوان سے شائع ہوا ہے۔ کچھ بے اختیارانہ کلمات سرکار کے متعلق بھی نکل گئے ہیں۔ اگر فرصت ہو تو سرکار ملاحظہ فرمالیں۔

سرکار کی شبیہ اور رویا کی جو تین رنگ میں تیار کی گئی ہے بلاک بننے کے لیے کلکتہ روانہ کر دی گئی ہیں۔ امید ہے کہ سرکار کا مزاج بخیر ہوگا۔

خاکسار

نیاز فتح پوری

مہاراجہ جیون کے انتہائی صاف گو واقع ہوئے تھے اس لیے انھوں نے

مروت اور دل شکنی کا خیال کیے بغیر تماکو کے بارے میں اپنی رائے لکھ بھیجی

مہاراجہ کا خط درج ذیل ہے :

کمار پارک

بنگلور

۲۶ رمئی سنہ ۱۹۳۰ء

مہربان شاد

"آپ کا خط وصول ہوکر باعثِ مسرت ہوا۔ تماکو بھی پہنچی۔ میری رائے ہے کہ اس کو صرف تماکو ہی کہنا مناسب ہوگا۔ کیوں کہ اس میں خمیرہ کا بالکل مزہ نہیں ہے۔

رسالہ نگار بابتہ مئی سنہ ۳۰ء جو بذریعہ رجسٹری ارسال کیا گیا تھا مجھے وصول ہوا۔ "سرزمینِ دکن کی ایک دل نوتہ شام" کا آپ نے ایسا سراپا تحریر کیا ہے کہ اصل تصویر کی جگہ قلمی تصویر پیدا کر دی ہے۔ میرے متعلق جو کچھ بھی آپ نے تحریر کیا ہے وہ غالباً اس خلوص کا نتیجہ ہے جو آپ کو میرے ساتھ ہے ۔ ورنہ "من آنم کہ من دانم" امید کہ آپ بعافیت ہوں گے۔

فقیر

تماکو کے بارے میں مہاراجہ کی رائے معلوم ہونے کے بعد شوقِ دانیہ صاحب نے تماکو کا پیچھا نہیں چھوڑا۔ اس کے بعد جو خط انھوں نے شاد جوان کو لکھا ہے اس میں خط کے جواب سے مایوسی کا ذکر ہے حالانکہ

مئی کو مہاراجہ نے انھیں خط لکھا ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان دونوں میں خط و کتابت مسلسل اور پابندی سے ہوا کرتی۔ ذرا سی تاخیر نیاز صاحب کو شاق گزرتی۔

نیاز صاحب کا خط یہ ہے:

دفتر نگار۔ لکھنو۔

۵ر جون سنہ ۳۰

سرکار والا

"میں تو اپنے عریضوں کے جواب کی طرف سے مایوس ہو چکا تھا۔ لیکن ۲۶ مئی کے نامۂ عطوفت نے بقول شخصے "گرتا ہوا گھر تھام لیا۔"

سرکار کے الطاف عمیم نے اس قدر گستاخ بنا دیا ہے کہ گاہے گاہے عرائض پیش کرنے کی جرأت ہو جاتی ہے، ورنہ ظاہر ہے کہ میں کیا اور میرے مکتوبات کیا۔

سرکار نے "سرزمین دکن کی ایک دل نواز شام" کو پسند فرمایا۔ اس سے زیادہ صلہ اور کیا مل سکتا ہے۔ خدا سرکار کو اس وقت تک قائم رکھے جب تک فطرت کو دنیا میں درد و خلوص و انسانیت کی یادگار باقی رکھنا ہے۔

پریم درپن کا بڑا کام ختم ہو چکا ہے۔ یعنی ۷ بلاک تصاویر کے تیار ہو چکے۔ کتابت ہو رہی ہے۔ کوشش کر رہا ہوں کہ جلد از جلد اس کو لے کر بارگاہ گرامی میں حاضر ہوں۔

غالباً سرکار والا حیدرآباد واپس تشریف لے آئے ہوں گے
اور معہ وابستگان دامن دولت صحت و عافیت کے
ساتھ ہوں گے۔ میں نے ایک اور جگہ نہایت اہتمام
کے ساتھ تما کو تیار کرنے کا انتظام کیا ہے۔ انشاء اللہ
اپنے ساتھ لاؤں گا۔ خدا کرے سرکار کو پسند آجائے۔
اگر ارشاد ہو تو "جلوۂ کرشن" کی طباعت کا بھی انتظام
اسی پیمانہ پر شروع کر دیا جائے۔"

خاکسار

نیاز فتح پوری

جلوۂ کرشن مہاراجہ بہادر کی مثنوی ہے۔ نیاز صاحب یہ چاہتے
تھے کہ پریم درپن کی طرح اس مثنوی کی طباعت کا بھی ذمہ لیں۔ اس
طرح علم و ادب سے انھیں جو فطری لگاؤ تھا اس ذوق کی تکمیل بھی
ہو جاتی اور مہاراجہ سے خط و کتابت کا بہترین موقع بھی میسر آجاتا۔

تاج محل، بھوپال

۱۵ ربیع الاول

مطاعی الاعز

عافیت مزاج گرامی عرصہ سے دریافت نہیں ہوئی۔ دل کو گرانی ہے۔
خدا کرے عریضہ حضرۃ کی خدمت میں بہ حالت مسرت و
طمانیت پیش ہو۔ میری جدید تصنیف "گہوارۂ تمدن" شائع
ہو چکی ہے۔ انشاء اللہ بہت جلد ملاحظۂ اقدس میں

پیش کروں گا۔ اور اگر خود حیدرآباد آیا جیسا کہ اس ماہ کے آ
میں قصد ہے تو خود نذر کروں گا۔ میرے ایک نہایت عزیز
دوست جو فطرت کی جانب سے اک نہایت ہی پرکیف د
ذہین طبیعت لے کر آئے ہیں عرصے سے پریشان روزگار ہیں
اور با وصف اس کے کہ ان میں ہر کام کی خداداد قابلیت
موجود ہے اس وقت تک اپنے صعوبات کو دور نہیں کر سکے۔
مجھے چوں کہ حضرۃ کی خدمت میں شرف نیازمندی حاصل
ہے۔ اس لیے جسارت کرکے ان کا حال سمع اقدس تک
پہونچاتا ہوں اور یقین رکھتا ہوں کہ اگر حضرۃ نے ادنیٰ توجہ
بھی فرما دی تو ان کی پریشانیاں دور ہو جائیں گی۔ اور وہ حضرۃ
کی خدمت کو اپنے لیے باعثِ فخر و ناز سمجھیں گے۔ اپنا حال
کیا عرض کروں سوائے اس کے

کز تپشِ نفس ہنوز می شنوم صدائے تو

خادم
نیاز محمد نیاز فتح پوری

نام مکتوب الیہ۔۔۔ منشی نیاز محمد خاں صاحب نیاز فتح پوری
پتا۔۔۔۔ تاج محل ریاست بھوپال
ازمقام سٹی پیلس پیشکاری حیدرآباد دکن
تاریخ ۱۹؍ ربیع الاول ۱۳۳۸ھ ۹؍ بہمن ۱۳۲۹ ف ۱۲؍ دسمبر ۱۹۱۹ء
یادداشت دنواز

محبت نامہ رقمہ ۱۵ ربیع الاول شریف ۱۳۳۸ھ وصول ہو کر موجب از دیاد مسرت ہوا۔ آپ کی تازہ تصنیف "گہوارۂ تمدن" کا جو یقیناً اسم با مسمی ہو گی منتظر ہوں خدا کرے وہ وقت وقت سے پہلے ہی آجائے جس وقت میں یہ لکھوں۔

ایں آمدنت باعث خوشنودی شاد

وے دیدن تو موجب میمونی باد

آپ نے اپنے جس عزیز دوست کے متعلق پریشانی و سرگردانی کی کیفیت تحریر کی ہے اگر ان کی خدمت فقیر شاد کے امکان میں ہے تو کیا عذر لیکن ان کا نام کیا ہے اور قبل ازیں کیا شغل رکھتے تھے۔ اور کس علم یا فن میں مہارت خاص رکھتے ہیں۔ اگر یہ امور معلوم ہو جاتے تو مناسب تھا۔ تاکہ ان کی صنف خدمت کا ایک معیار ذہنی قائم ہو سکتا اور امکان و عدم امکان کا بھی کلی یا جزوی اندازہ ممکن ہوتا۔

اگرچہ سوائے شرکت واجب الوجود عالم میں کوئی شے غیر ممکن نہیں بلکہ نپولین بوناپارٹ کا مقولہ ہے کہ "لفظ ناممکن دنیا کی ڈکشنری میں بالکل غلط اور بے معنی ہے" لیکن یہ ضرور ہے کہ انسان ہر شے کے امکان پر قادر نہیں ہو سکتا۔ اگر اس اعتبار سے لفظ ناممکن کو صحیح مان لیا جائے تو ممکن ہے یقین کہ آپ بھی اتفاق فرمائیں گے۔

فقط

تاج محل - بھوپال
۲۰ دسمبر ۱۹ء

مطاعی الاعز۔

نامۂ گرامی کا شکریہ۔ چوں کہ حاضری آستانہ کا عزم قوی ہوتا جا رہا ہے اس لیے گہوارۂ تمدن خود ہی پیش کروں گا۔ اگر خدانخواستہ کامیاب نہ ہوا تو پھر ذریعہ ڈاک بدرجۂ مجبوری روانہ کروں گا۔ جن صاحب کے لیے میں نے لکھا تھا ان کا اسم گرامی سید حسن اسماعیل ہے۔ اور نواب صدیق حسن خان صاحب کے قریب عزیزوں میں ہیں۔ پہلے ریاست بھوپال سے ان کا معقول منصب مقرر تھا، لیکن جب یہاں کی سیاسی آب و ہوا میں انقلاب پیدا ہوا تو منصب بند ہو گیا اور یہ سلسلۂ ملازمت عرصہ تک پیشکار وزارت مال اور تحصیل دار درجۂ اول کام کرتے رہے اور اپنی خدمات کو نہایت قابلیت کے ساتھ انجام دیا۔ چوں کہ فطرتاً نہایت غیور واقع ہوئے ہیں اس لیے بعض ناگوار واقعات کی بنا پر ترکِ ملازمت کر کے خانہ نشین ہو گئے۔ مار... فوج داری کے کام کا نہایت اچھا تجربہ ہے اور سب سے بڑی خصوصیت جس کی آپ کو ضرورت ہے یہ ہے کہ یہ انتہا شریف النفس اور نہایت فرض شناس [illegible] رکھتے ہیں۔

مجھے یقین ہے کہ حضرت کی ریاست میں ان کی خدمات بہت مفید ثابت ہوں گی۔ اپنے حالات کے متعلق جو خط انھوں نے مجھے لکھا ہے وہ بھی بغرض ملاحظہ پیش کرتا ہوں۔ امید ہے کہ مزاج گرامی بخیر ہوگا۔

خادم

نیاز فتح پوری

نام مکتوب الیہ... منشی نیاز محمد خاں صاحب نیاز فتح پوری

پتا........ تاج محل۔ ریاست بھوپال

ازمقام سٹی پیلس پیشکار کاری حیدرآباد دکن

تاریخ ۹ ربیع الثانی ۱۳۳۸ھ ۸ بہمن ۱۳۲۹ف یکم جنوری ۱۹۲۰ء

نیاز شاہ نواز

وصول نامہ مودت رقم زدہ ۲۰ ڈسمبر ۱۹۱۹ء موجب انبساط ہوا۔ یوں تو ابتدائے زمانہ تعارف سے شاد کو آپ کی ملاقات کا انتظار اور شوق رہا ہوا تھا ہی مگر۔

وعدۂ وصل چوں شود نزدیک
آتش شوق تیز تر گردد

۱۹ء ختم ہو کر سنہ ۲۰ء کا آغاز ہو گیا مگر دیکھیے یہ بیس کا نقش کب تک اپنا اثر دکھاتا ہے۔

سید حسن اسمٰعیل صاحب کے متعلق آپ کی اور نیز

ان کی تحریر سے کیفیت معلوم ہوئی - فی الحقیقت قابل قدر ضرور ہیں - لیکن فقیر شاد کی مختصر سی اسٹیٹ ان کی کیا خدمت کر سکتی ہے - بڑی ریاست دکن اس کے متعلق پیشتر بھی تحریر کر چکا ہوں کہ دو تین سال سے بالکل ممنوع السعی کر دیا گیا ہوں - ورنہ آپ کی سفارش اور ان کی قابلیت شاد کو ان کے لیے کوشش پر ضرور مجبور کرتی -

گزشتہ ہفتہ عشرہ میں شاد کو انفلوئنزا نے پریشان کر دیا تھا - مگر بفضلہ اب صحت ہے - صرف نقاہت باقی ہے - وہ بھی انشاء اللہ تعالیٰ رفع ہو جائے گی -

گہوارۂ تمدن کے بھی مطالعہ کا انتظار بے چین کر رہا ہے - امید ہے کہ وہ گہوارہ خالی نہ ہوگا بلکہ طفلِ معاشرت پینگیں لے رہا ہوگا -

یقین ہے کہ آپ مع الخیر والعافیت ہوں گے -

تاج محل - بھوپال

۲۵ / جنوری

مخدومی الاعز

میں نے ارادہ تو کر لیا ہے کہ فروری کے ہفتہ اول میں کسی دن بالکل غیر متوقع طریق سے آستانۂ گرامی پر حاضر ہو جاؤں خدا کرے یہ عزم پورا ہو - میرے داماد مولوی قمر احسن کو بھی حضرۃ

کی زیارت کا بے انتہا شوق ہے، اس لیے قوی امید ہے کہ
وہ بھی میرے ساتھ ہوں گے۔ یہاں طاعون شروع ہو گیا
ہے۔ اللہ رحم فرمائے۔ امید ہے کہ مزاجِ اقدس اب حالتِ
اعتدال پر ہوگا اور انفلوئنزا کے اثرات زائل ہو گئے ہوں گے

خادم
نیاز

یہاں کے طاعون اور تبدیلِ مقام کا بھی
اس کے جواب میں اطلاع دی جائے۔

نام مکتوب الیہ۔۔۔۔۔ منشی نیاز محمد صاحب نیاز فتح پوری
پتا۔۔۔۔۔۔۔۔ تاج محل۔ ریاست بھوپال

ازمقام سٹی پیلس پیشکاری حیدرآباد

تاریخ ۹ر جمادی الاول ۱۳۳۸ھ، ۲۸ر اسفندار ۱۳۲۹ف، ۳۱ر جنوری ۱۹۲۰ء

نیاز شادنواز

وصول مودت نامہ رقم زدہ ۲۵ر جنوری ۱۹۲۰ء باعث
مسرت ہوا۔ افسوس کہ جس بلا کے باعث آپ بھوپال سے
بلدہ کا ارادہ کر رہے ہیں بلدہ پہلے ہی سے اس میں مبتلا
ہو چکا ہے اور ترقی کر رہی ہے۔ کوئی محلہ ایسا نہیں جو مطعون
نہ ہو۔ شاید آپ کو اخبارات کے مطالعہ کا موقع نہیں ملا ورنہ
روزانہ مفصل کیفیت شائع ہوتی رہتی ہے۔ فقیر خانہ کے اطراف

دوکان کی ہوا زیادہ خراب ہو جانے کے باعث شاد نے بھی مع والستگان نقل مقام کر کے کرمن گھٹ میں سر دست قیام کیا ہے۔ جو خواجہ گلشن کے نام سے موسوم ہے اور یہ موضع سرورنگر میں واقع ہے۔ نام سرور سے کیفیت ہوتی ہے مگر افکارات لاحقہ کے باعث سرور سے سرور رہونا مشکل ہے۔

چوتھی فقیرزادی کی تقریب شادی بھی جو ماہ حال میں قرار پائی تھی اسی وجہ سے ملتوی کر دی گئی۔ ایسی حالت میں آپ کا عزم بلدہ جس قدر تکلیف دہ ثابت ہوگا وہ ظاہر ہے۔ اور اس کا اندازہ آپ خود بھی کر سکتے ہیں۔ شاد کے خیال میں آب و ہوا صاف ہونے کے بعد اگر آپ معہ اپنے داماد مولوی قمر الحسن صاحب بلدہ کا عزم فرمائیں تو مناسب ہے۔

"ہر کسے مصلحت خویش نکو میداند"

یقین کہ آپ مع الخیر والعافیت ہوں گے۔

فقط

ؔ خط کے مسودے میں ڈیوڑھی کا لفظ لکھا تھا جس کو مہاراجہ نے پنسل سے فقیرخانہ بنا دیا ہے اور مسودہ نگار کو ان الفاظ میں تادیب کی ہے۔ "اپنے مکان کو ڈیوڑھی کہیں۔ اس سے بڑھ کر حماقت نہیں۔ ذرا تمیز سیکھو"

تاج محل - بھوپال

۱۲ اپریل

مطاعی الاعز

میں کل بمبئی سے پندرہ روز کے بعد واپس آیا ہوں۔
اس لیے نامۂ گرامی کے جواب میں تعویق ہوئی۔ میں نے فی الحال
حیدرآباد کا عزم ملتوی کر دیا ہے۔ لیکن اس شرط سے کہ حضرت
کی خیریت معلوم ہوتی رہے۔ ورنہ دل کو سخت گرانی رہے گی۔
میں بھی نقل مکان کی فکر کر رہا ہوں۔

خادم
نیاز فتح پوری

تاج محل - بھوپال

۴ مئی

مطاعی الاعز　　　　دولت جاوید بکام باد

میں کل ڈیڑھ دو ماہ تک خانماں برباد رہنے کے بعد
معہ متعلقین کے پھر یہاں واپس آ گیا ہوں۔ اب یہاں کی
آب و ہوا مائل بہ اعتدال ہے۔ گویا بالکل صاف نہیں۔
معلوم نہیں حضرت کا قیام اب کہاں ہے اور حیدرآباد کی
حالت کیا ہے؟ امید ہے کہ مزاج گرامی معہ وابستگانِ دامن
دولت کے بخیر ہوگا اور اطلاع خیریت سے مجھے مسرور
و مطمئن کیا جائے۔

خادم
نیاز فتح پوری

تاج محل - بھوپال

۱۴ / ۔

مطاعی الاعز

معلوم نہیں آج کل آپ کہاں تشریف فرما ہیں - میرے عریضہ کا جواب نہیں ملا - خدا کرے مزاج بخیر ہو -

میں پھر عازم حیدرآباد ہوں - اگر جناب اجازت مرحمت فرمائیں -

خادم

نیاز فتحپوری

(ان کے خطوط کے جوابات کیوں نہیں گئے)

تاج محل - بھوپال

۱۱ / ۔

مطاعی الاعز کثر اللہ امثالہ

اس سے قبل میرے دو عریضوں کا جواب نہیں ملا - جوں کہ جناب کے الطاف نے گستاخ کر دیا ہے اس لیے پھر یاد دہانی کی جرأت کر رہا ہوں - مزاج گرامی کی خیریت سے کبھی کبھی مطلع فرماتے رہیے کہ عرصے تک حالات نہ معلوم ہونے سے دل کو گھبرانی رہتی ہے -

خادم

نیاز فتح پوری

نام مکتوب الیہ۔۔۔۔منشی نیاز محمد خاں صاحب نیاز فتح پوری

پتا۔۔۔۔۔۔تاج محل۔بھوپال

از مقام سٹی پیلیس۔پیشکاری

حیدر آباد دکن

تاریخ ۱۳ محرم ۱۳۳۹ھ ۲۱ آبان ۱۳۲۹ف ۲۶ ستمبر ۱۹۲۰ء

نیاز شاد نواز

آپ کا محبت نامہ مورخہ ۱۱ ستمبر ۱۹۲۰ء وصول ہو کر موجب ازدیاد مسرت ہوا۔

آج کل طاعون نے سکندرآباد کو جو بلدہ حیدرآباد دکن سے تین میل کے فاصلے پر واقع ہے اپنا مسکن بنا لیا ہے۔ الحمد للہ بلدہ اس وقت تک اس منحوس مرض سے متاثر نہیں ہوا۔ خدا کرے کہ آئندہ بھی نہ ہو۔ خدا خدا کرکے بارش نے اس ہفتہ میں دو چار گھنٹہ کے لیے کبھی کبھی اہل دکن کی کچھ کچھ چشم شوئی کی کالی گھٹائیں جو اکثر اوقات جھوم جھوم کر اٹھتی ہیں اگر برس جاتیں تو مناظر قدرت سے جاں فزا منظر ایک دل فریب صورت اختیار کرتے اور تشنگان دکن کی جان میں جان آجاتی اور تازہ کام ہو جاتے لیکن روز عاشورہ سے وہی باد سموم کے جھونکے اور وہی امساک بارش کا رونا ہے۔

پلیگ پھر شروع ہو گیا ہے خدا محفوظ رکھے۔

تنا مع وابستگان مع الخیر والعافیہ ہے۔ یقین ہے کہ آپ بھی خوش و خرم ہوں گے۔

فقط

بھوپال۔ ۲۵ جنوری ۲۳ء

مطاعی الاعز

میں ایک مہینہ کے بعد کل یہاں واپس آیا ہوں۔ کس قدر ندامت ہے کہ نامۂ گرامی کا جواب تعویق سے جا رہا ہے۔

نگار کے متعلق جن خیالات کا اظہار حضرت نے فرمایا ہے انھیں میں اپنے لیے باعث فخر و ناز سمجھتا ہوں۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر حضرت حوصلہ افزائی نہ فرمائیں تو مجھ سا تہی مایہ شخص کیا کرسکتا ہے۔

نگار کے پچھلے پرچے بالکل نہیں رہے، تاہم کوشش کر رہا ہوں کہ ایک جلد مرتب کرکے پیش کروں۔ لیکن وی۔ پی بھیجنا میرے اختیار میں نہیں ہے اور نہ میں ایسی جرات کرسکتا ہوں۔ اب بھی جو کچھ نگار کے پاس ہے وہ حضرت ہی کا صدقہ ہے۔

جذبات بھاشا کی ایک کاپی ذریعہ رجسٹری پیش کرتا ہوں "چندہ کی رقم کا بمد امانت جمع ہونا" اس لیے ہے کہ نگار حضرت سے چندہ وصول کرنے کے لیے آمادہ

نہیں۔ کیا ہم لوگوں کے لیے یہ خیال کہ باعث مسرت ہے
یہ کہ حضرت اس پر لطف فرماتے ہیں اور کیا
حضرت کی سرپرستی ہمیں نگار کے مستقبل کی طرف
سے بے نیاز بنانے والی نہیں ہے کہ چندہ طلب کیا
جائے۔

حضرت کی طرف سے اس رقم میں ایک یتیم خانہ
کے نام نگار جاری کر دیا گیا ہے۔

عقیدت مند
نیاز فتح پوری

۲۸/۶ ۲۳

مطاعی الاعز کثر اللہ امثالہ
اگر نیاز ناموں پر التفات قدیم صرف نہ فرمانا کسی برہمی کی
وجہ سے ہے تو خدا کے لیے اس سے آگاہ فرمائیے اور مجھے
موقعہ دیجیے کہ اگر کوئی غلطی ہو گئی ہے تو معذرت کروں،
معافی چاہتا ہوں۔ اس حالتِ منتظرہ میں نہ رکھیے کہ یہ
عظیم ہلاکت ہے اور ناقابل برداشت صعوبت۔

نیاز مند دیرینہ
نیاز فتح پوری

عبا صاحب
شاید کوئی خط آپ نے لکھا نہیں۔ میری طرف سے بھیجا نہیں

اس ملیے یہ شکایت ہے۔ افسوس۔ جلد مسودہ پیش کیجیے)۔

نام مکتوب الیہ.... حضرت نیاز فتح پوری
پتا.... نور محل بھوپال

ازمقام.... سٹی پیلس پیشکاری حیدر آباد دکن
تاریخ ۲۸ر صفر ۱۳۴۲ھ ۴ر آذر ۱۳۳۳ف ۱۰ر اکتوبر ۱۹۲۳ء

بخدمت شریف حضرت نیاز فتح پوری

یکے بعد دیگرے آپ کے دو خط ہز اکسلنسی سر مہاراجہ یمین السلطنت کے ملاحظہ سے گزرے۔ پانچ چھ مہینے سے سرکار ادن گوناگوں افکار و آلام میں مبتلا ہیں جن کے احساس سے وہی دل متاثر ہو سکتا ہے جو اس قسم کے افکار و آلام میں مبتلا ہوا ہو۔ سب سے پہلے ۲۵ر شعبان کو سرکار کے وارث و جانشین راجہ خواجہ پرشاد بہادر کی آنکھ میں لوہے کی ایک کیل چبھ گئی تھی جس سے ہز اکسلنسی کی آنکھوں میں دنیا تیرہ و تار ہو گئی۔ ڈاکٹری علاج سے زخم تو مندمل ہو گیا مگر بصارت میں فرق آگیا۔ آج تک بصارت کی کمی ایک حالت پر ہے۔ کوئی چیز نظر نہیں آتی۔ ڈاکٹروں کا بیان ہے کہ عرصے سے بصارت عود کر آئے گی۔.....

.... وہ بھی بشارت دیتے ہیں مگر وقت کوئی متعین نہیں کرتے کہ کب۔ ہر ممکن کوشش بقائے بصارت کے لیے

کی گئی اور کی جا رہی ہے لیکن ہنوز روز اول ہے۔ ابھی یہ صدمہ تازہ تھا کہ ۱۹ر صفر کا دن گزر جانے کے بعد شبِ شنبہ کو سرکار کی ایک صاحبزادی جو ایک مسلمان محل سے تھی اور جس کی عمر نو دس برس کی تھی دو تین دن کے بخار میں مبتلا ہو کر دائمی مفارقت کا داغ دے گئی۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔ انسان کیسا ہی مستقل مزاج کیوں نہ ہو لیکن رنج و آلام کی معمولی سے معمولی ٹھوکر کی تاب نہیں لا سکتا اور دائرۂ صبر و ضبط سے باہر ہو جاتا ہے مگر یہ سرکار ہی کا حوصلہ ہے کہ ہر صدمہ کو خدا داد استقلال و ضبط سے کام لیتے ہیں اور ہر حال میں تابع مشیت الٰہی ہیں۔ روح فرسا داغوں سے جگر و دل بھر گئے مگر اُف نہیں کرتے۔ نواسے نواسیوں کے سوا اٹھارہ اولادوں کے داغ دل پر ہیں جن میں بارہ بیٹے چھ بیٹیاں ہیں مگر راضی برضا ہیں۔ دم نہیں مارتے۔ جزع فزع نہیں کرتے۔ خدائے بزرگ و برتر ہز اکسلنسی کو ان روح فرسا صدمات میں صبر جمیل و اجر جزیل عطا فرمائے۔

باایں ہمہ صدمات و آلام بمصداق:

خیال خاطر احباب چاہیے ہر دم
انیس ٹھیس نہ لگ جائے آبگینوں کو

احباب کی یاد کو ایک اہم فرض تصور فرماتے ہیں۔ رسالہ کا

کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں۔

"نیاز صاحب نے اس ادبی، تاریخی، تمدنی اور دل چسپی رسالہ کو دل چسپ اور مفید بنانے سے زیادہ ہمہ گیر بنانے کی کوشش میں نمایاں حصہ لیا ہے۔ کیوں نہ ہو۔ وہ ایک طرزِ قدیم کے ایک کہنہ مشق اور مسلم الثبوت شاعر ہونے کے علاوہ جدید طرز کی نظم و نثر میں بھی کافی مہارت رکھتے ہیں۔ نیاز صاحب کا درجہ اپنی گوناگوں خصوصیات کے لحاظ سے دورِ حاضر کے اہلِ علم و کمال میں بہت بلند اور سلامت ذوق کے معیار سے بھرا ہوا ہے۔"

یہ بھی فرمایا ہے کہ انشاء اللہ تعالیٰ سکونِ قلب کے بعد خود ہز اکسلنسی آپ کو خط لکھیں گے۔

FATAHPORE. UP.

27/1/14

مشفقی و مطاعی۔

حضرت میرزا صاحب کے دیوانِ قلمی کے صفحۂ اول اور مصنفِ موصوف کے دستخط کا عکس روانہ کرتا ہوں۔ حضور سے خوشنودیٔ مزاج کی حالت میں پیش ہو۔

خادم

نیاز محمد خاں نیاز

اختر منزل، ہانسی (حصار)
۲۹ر نومبر ۱۹۳۶ء

مطاعی و محترمی،
مجرا قبول ہو۔

میرے پاس ایک نسخہ حضرت میرزا مظہر جانجاناں کے دیوانِ فارسی کا ہے۔ اس میں ایک خصوصیت تو یہ ہے کہ میر حکیم الحسینی کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے، جو سرآمد خوشنویسان خط شفیعہ تھے اور اس لیے اس وقت اس سے بہتر نسخہ اس خط کا نظر نہیں آسکتا۔ دوسری خصوصیت جس نے اس نسخہ کو بے مثل بنا دیا ہے وہ یہ ہے کہ خود حضرت مصنف نے اس کو ملاحظہ فرما کر اپنے دست مبارک سے تصحیح و تصدیق فرما دی ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ یہ تحفہ جناب کی خدمت میں پیش کر دوں اور اس کے عوض سوائے اس کے اور کچھ نہیں چاہتا کہ زندگی کے بقیہ ایام ایک پر قناعت زیست کے ساتھ کسی گوشے میں بسر کر دوں۔

اگر جواب سے سرفراز کیا گیا، تو میرے لیے باعث صد افتخار ہے۔

خادم
نیاز محمد خاں نیاز
فتح پوری

نور محل۔ بھوپال

۵ ار فروری

مطاعی الاعز۔

غالباً جناب ہوشؔ بلگرامی کی تحریر سے حضرت کو معلوم ہوا ہوگا کہ میری آرزوئے قدمبوسی جسے عرصہ سے دل میں لیے ہوئے ہوں، اب تکمیل کے لیے بے تاب ہے اور اخیر فروری میں حاضری کا ارادہ استوار ہو چکا ہے لیکن قبل اس کے کہ میں روانہ ہوں، ضروری ہے کہ حضور کو بھی اس کی اطلاع دے دوں اور اجازتِ باریابی حاصل کرلوں۔

اس وقت تک حاضری میں تعویق صرف اس وجہ سے ہوئی کہ جناب ہوشؔ کی معیت کا خیال تھا۔ لیکن چوں کہ ان کا ارادہ برابر ملتوی ہوتا جا رہا ہے اس لیے مایوس ہو کر اب تنہا شرفِ ملازمت حاصل کرنے پر مجبور ہوں۔ خدا کرے بندگانِ ہمایوں کی طرف سے جلد فرمانِ باریابی حاصل ہو اور میں اس سعادت سے جلد بہرہ یاب ہو سکوں۔

خاکسار

نیاز فتح پوری

غبار صاحب

کیا جواب دیا جائے۔ نیاز صاحب آئیں گے تو ضرور مہمان کرنا ہوگا۔ کوئی مکان اس قابل نہیں ہے۔

نام مکتوب الیہ۔۔ حضرت نیاز فتح پوری   از مقام۔۔۔۔کیمپ الوال حیدرآباد دکن
پتہ۔۔۔۔۔۔۔نور محل بھوپال   تاریخ۔۔۔۔۹؍شعبان سنہ ۱۳۴۲ھ
۱۹؍فروردی سنہ ۱۳۳۵ف ۲۰؍فروری سنہ ۱۹۲۶ء

خدمت شریف حضرت نیاز فتح پوری

آپ کا خط مورخہ ۵؍فروری سنہ ۲۶ء ہز اکسلنسی سر مہاراجہ بہادر یمین السلطنت کے ملاحظہ سے گزرا۔ ہز اکسلنسی نے یادآوری کا شکریہ ادا کرتے ہوئے یہ شعر فرمایا:

رواقِ منظرِ چشم من آشیانۂ تست
کرم نما و فرود آکہ خانہ خانۂ تست

مگر اس کے ساتھ ہی بلدہ میں طاعون کی شدت ایک سو پچاس تک تعداد ہے۔ سرکار دام اقبالہٗ خود الوال میں جو حیدرآباد سے ۱۴ میل کے فاصلہ پر ہے مقیم ہیں۔ بلدہ کے ساکنین گھربار چھوڑ کر جنگلوں میں جھونپڑیاں ڈالے پڑے ہیں۔ ایسی صورت میں آپ کا اس وقت آنا ضروری ہے یا التوا مناسب ہے اس پر غور کیجیے۔ جنگل آباد شہر سنسان ہے۔

الوال کی بستی میں بھی چوہے طاعونی گر رہے ہیں۔ شاید ہز اکسلنسی یہاں سے بھی منتقل ہوں گے۔ کسی جاگیر میں۔

سید صادق حسین غبارہ

بھوپال - ۲۴ فروری ۲۶ء

مطاع الاعز

مکتوب گرامی نے معزز فرمایا - ایسی صورت میں کہ حضرت خود بلدہ سے باہر بحالت فکر و اضطرار غروکش ہیں میرا حاضر ہونا مناسب نہیں۔

خدا کرے یہ بلا جلد رفع ہو اور حضرت پھر بحالت امن و سکون بلدہ میں رونق افروز ہوں۔

امید ہے کہ رمضان تک اس میں کمی ہو جائے گی اور میں عید کی مبارکباد پیش کرنے کے لیے خود حاضر ہو سکوں گا۔

خادم

نیاز فتح پوری

(مسودہ)

جناب سید صادق حسین مختار منتظم پیشی

خدمت شریف حضرت نیاز فتح پوری

آپ کا خط مورخہ ۲۴ فروری ۱۳۲۶ف اس وقت سرکار عالی کے ملاحظے سے گزرا جبکہ سرکار اپنی جاگیر شاد نگر کو جو حیدرآباد سے تقریباً ۳۰ میل کے فاصلے پر ہے سوار ہو رہے تھے۔ سرکار دام اقبالہ نے مجھے حکم دیا تھا کہ میں آپ کے خط کا جواب دوں۔

چونکہ سرکار آج کل شاد نگر میں رونق افروز ہیں اور وہاں سے عجب نہیں کہ محبوب نگر تشریف لے جائیں جو شاد نگر سے اتنے

ہی فاصلہ پر ہے۔ ادھر سرکار کا مزاج نادرست ہوگیا تھا۔ ۱۰۳ درجہ بخار تھا اس پر ولی عہد ثانیہ بہادر اور ان کی بڑی ہمشیر کو بھی بخار تھا۔ دوسرے صاحبزادوں کا بھی مزاج نادرست تھا۔ ان وجوہات سے سرکار نے نتاد گراد میحوب نگر کے قیام کو ترجیح دی۔ آئندہ دیکھیے کہاں قیام ہوگا۔

فقط
منتظم پیشی

نور محل۔ حیدرآباد
۲۵/۳

معتمدی باہر

میں اس زمانہ میں اتنا زیادہ مستہاسے لہذا گیاری کہ اپنی حیات کو مستقل بے حیائی سمجھنے لگا ہوں ان کی تفصیلوں سے اوقات گرامی کو حرج کرنا نہیں چاہتا کیونکہ یوں بھی مجھے حضرت کے انکار کا علم ہے۔ لیکن پھر بھی مجبور ہوں کہ حضرت کو ایک معاملہ میں توجہ دلا کر اعانت کا طلب گار ہوں۔

حضرت کو تو یاد نہ ہوگا لیکن میرے دل میں ہنوز وہ نقش تازہ ہے جب اب سے چھ سات سال قبل جناب نے ہز ہائینس نواب محمد حمید اللہ خاں بہادر کے نام جب وہ ہز ہائنس نہ تھے میرے متعلق ایک تحریر روانہ فرمائی تھی اور

اسی بنا پر تصنیف و تالیف کی خدمت کے لیے منتخب کیا گیا تھا لیکن جس مقصد کے لیے تقرر ہوا تھا وہ حاصل نہ ہوا تھا کیوں کہ ملازمت کی حیثیت میری بدستور قائم رہی اور ہے۔

ضرورت تھی کہ میری موجودہ تنخواہ (سو روپیہ) جو یوں بھی کچھ زاید نہیں ہے، وظیفۂ علمی کی صورت اختیار کرتی اور میں ملازمت کی پابندیوں سے بے نیاز ہو جاتا۔ ہر چند ہز ہائنس سابق کا بھی منشا یہی تھا لیکن دفتری الجھنوں میں اس کی صورت بدل گئی۔

بہرحال اب چوں کہ جدید انتظامات در پیش ہیں اور موقعہ ہے کہ یہ مسئلہ بھی طے کر لیا جائے اس لیے میں پھر حضرت کو تکلیف دیتا ہوں۔ اگر جناب نے براہ راست ہز ہائنس سکندر صولت افتخار الملک نواب حاجی محمد حمید اللہ خاں بہادر بالقابہ کو تحریر روانہ کر دی تو کامیابی یقینی ہے اور اگر یہ مناسب نہ ہو تو نواب زادہ سعید الظفر خاں بہادر (جنرل صاحب مرحوم کے صاحب زادے) کو لکھ دیجیے کہ وہ اپنے فرماں روا چچا سے ذرا ضد کر کے اس کام کو حسب منشا طے کرا دیں۔ نواب زادہ صاحب موصوف مجھ پر عنایت فرماتے ہیں۔ لیکن حضرت کے لکھنے کا جو اثر ہو سکتا ہے وہ ظاہر ہے۔

سفارشی تحریر میں میری دیگر علمی خدمات کے ساتھ نگار کا تذکرہ خصوصیت کے ساتھ ہونا چاہیے جس سے ہز ہائنس اس کی اہمیت کو سمجھ سکیں اور معلوم کر سکیں کہ اس سے بہتر علمی خدمت

میں اور کوئی انجام نہیں دے سکتا۔

حضرت، بات یہ ہے کہ بھوپال میں رہ کر نگار کو ترقی کسی طرح نہیں ہو سکتی اور میں بے تاب ہوں کہ کسی طرح لکھنؤ یا دہلی جا کر اس کو اس کے حقیقی معیار پر لے آؤں، لیکن یہ اسی وقت ممکن ہے جب یہاں کی ملازمت کی پابندی سے آزاد ہو جاؤں سو اس کی دو ہی صورتیں ہیں: استعفا دوں یا موجودہ مشاہرے کو علمی وظیفہ کی صورت میں منتقل کراؤں۔ اول صورت پر عمل کرنے سے نگار کا چلنا دشوار ہے اور دوسری صورت میں اسی وقت کامیابی ہو سکتی ہے جب حضرت توجہ فرمائیں۔

حضرت ان کو لکھیں کہ علمی خدمت کرنے والوں کے لیے پابندی مناسب نہیں، چنانچہ حیدرآباد میں بھی جن کو علمی وظائف ملتے ہیں وہ آزاد ہیں اور آزادی کے ساتھ ہی وہ اچھا کام کر سکتے ہیں۔ بہرحال اب میں اس مسئلہ کو جناب ہی کے سپرد کرتا ہوں، جس طرح اور جس ذریعہ سے مناسب ہو اس کو انجام تک پہنچا دیں۔ میں زیادہ سے زیادہ یہی کر سکتا ہوں کہ حضرت کے سمع مبارک تک اپنے حالات پہنچا دوں۔

خاکسار

نیاز فتح پوری

(مسودہ)

نام مکتوب الیہ ... حضرت نیاز فتح پوری   از مقام ..... پیشگاہ ہز ہائینس

پتا ...... نور محل بھوپال   تاریخ ۱۹ ذی الحجہ ۱۳۴۴ھ ۲۵ امرداد ۱۳۳۵ف ۳۰ جون ۱۹۲۶ء

بخدمت شریف حضرت نیاز

آپ کا خط مورخہ ۲۵ جون ۱۹۲۶ء ہز اکسیلنسی سر مہاراجہ بہادر یمین السلطنت کے ملاحظہ سے گزرا۔ سرکار شاد آپ کی یاد آوری کا شادکامی کے ساتھ شکریہ ادا فرماتے ہیں۔

آپ کی حسب خواہش ایک چٹھی ہز ہائنس نواب افتخار الملک فرمانروائے بھوپال کے نام ملفوف ہے اگر آپ کے مقصد کے موافق ہو تو ان کو پہنچا دیجیے اور اگر اس میں کچھ ترمیم و تنسیخ کی ضرورت ہو تو براہ کرم اسی چٹھی میں گھٹا بڑھا کر واپس فرما دیجیے تاکہ اس کے موافق بھیجی جائے اور اگر نہیں ہے تو رسید ایما فرمائیے۔

سید صادق حسین غبار

والی بھوپال کو جو خط لکھا جا رہا تھا اس کے طریقۂ تخاطب پر مہاراجہ نے اعتراض کرتے ہوئے لفافے پر ہی ذیل کی عبارت لکھی ہے:

غبار صاحب

آپ کی استغنائی روز بروز عمر کے ساتھ ترقی کرتی جاتی ہے۔ میں روکتا ہوں مگر وہ جوانوں کی طرح بہت تیزی کے ساتھ قدم بڑھائے جا رہی ہے۔ اندیشہ ہے کہ سکندری نہ لکھا جائے

اس لفافے کو خوشنویس نے لکھا ہے۔ دوسرے اس کے خطابات شریک نہیں۔ خصوصاً خطابات انگریزی کہاں ہیں معلوم نہیں۔ مثلاً وہ G.C.S.I ہیں یا فقط G.C.I.E ہیں کچھ پتہ لگتا۔ اور لفافہ مانوگرام اسٹیٹ کا نہیں ہے جو ہونا چاہیے تھا۔ اگر آئندہ سے پھر آپ، بغیر مطالعہ کوئی کام کریں تو مجھے مجبوراً سختی کرنی پڑے گی۔

نام مکتوب الیہ ... نواب افتخار الملک حاجی محمد حمید اللہ خاں بہادر
پتا ..... بھوپال اسٹیٹ

ازمقام .... پیشکاری پیلیس حیدرآباد دکن

تاریخ - ۱۸ ذی الحجہ ۱۳۴۴ھ - ۱۲ آذر ۱۳۳۵ف ۲۹ جون ۱۹۲۶ء

اولاً فقیر شاد جوش دل سے حق ــــ کی مبارک باد دیتا ہے۔ خدا کرے یہ دور مسرت و نشاط پائدار ثابت ہو۔ اگرچہ فقیر واقف ہے کہ یور ہائینس ایک عرصہ سے حضرت ہائینس دام ظلہ کے بار حکمرانی کو اپنی مدد سے ہلکا کیے ہوئے تھے۔ یور ہائینس کی معاملہ فہمی، رعایا نوازی اور اخلاق پر جب نگاہ پڑتی ہے تو لامحالہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ

ایں قبائے است کہ برقامت او دوختہ اند

ثانیاً فقیر شاد حضرت نیاز فتح پوری رئیس التحریر نگار کے خاص معاملہ میں یور ہائینس کو توجہ دلاتا ہے۔ چھ سات سال قبل فقیر نے حضرت نیاز فتح پوری کے متعلق ایک خط لکھا تھا۔ جس کی بنا پر تصنیف و تالیف کی خدمت کے لیے ان کا انتخاب کیا گیا تھا۔

لیکن اس انتخاب سے ان کا مقصود اصلی حاصل نہوا کیوں کہ ملازمت کی حیثیت بدستور قائم رہی اور اب تک ہے۔ جس سے ان کی ترقی کی رفتار رک گئی۔ اگر وہی ماہوار جو ان کو ملتی ہے وظیفہ علمی کی صورت اختیار کرتی اور ملازمت کی پابندیوں سے حضرت نیاز بے نیاز ہوجاتے تو رسالہ نگار کی ترقی میں چار چاند لگ جاتے۔

رسالہ نگار میں حضرت نیاز کی ادبی قابلیت سے بزم ادب میں جو فانوس خیال روشن ہوا ہے کون پیکر تصویر ہے جو اس کاغذی پیرہن پر منازل زیست قطع کرتا ہوا نظر نہیں آتا۔ علمی لحاظ سے نگار ایک بہت بڑی نعمت اور بیش بہا خزانہ ہے۔ زور بیان، جدت فکر اور بلندی خیالات کے لحاظ سے ادبی دنیا میں نگار بالکل ایک نئی چیز ہے۔ حضرت نیاز نگار کی تدوین و اشاعت میں جس انہماک و دلچسپی سے فلسفیانہ لٹریچر کے فراہمی کی کوشش کرتے ہیں اردو داں پبلک کے لیے قابل تقلید مثال ہے۔ مگر کہا جاسکتا ہے کہ حضرت نیاز نگار کو جس حقیقی معیار پر لانا چاہتے ہیں اس وقت تک نہیں لاسکتے جب تک ملازمت کی پابندیوں سے آزاد نہ ہوجائیں اور یہ امر یورپائنس کی توجہ خاص پر منحصر ہے۔ کیوں کہ ظاہر ہے کہ علمی خدمت کرنے والوں کے لیے پابندی مانع ترقی ہے۔ حیدرآباد میں بھی جن کو علمی وظائف

سکتے ہیں وہ آزاد ہیں اور آزادی کے ساتھ اچھا کام کر سکتے ہیں۔
نظر وجوہات بالا فقیر شاد لوئے ہائینس کی علم دوستی اور نکتہ رسی سے متوقع ہے کہ حضرت نیاز کو جو ماہوار بھوپال اسٹیٹ سے ملتی ہے وہ علمی وظیفہ کی صورت میں منتقل کر دی جائے اور ان کو آزادی دی جائے تو نوازش ہوگی۔ حضرت نیاز یور ہائینس کی اس مہربانی سے آزادی کے ساتھ اپنے ارادے میں کامیاب ہو جائیں گے اور فقیر شاد ممنون۔

بھوپال

۱۰ر جولائی

مطاعی الاعز

تسلیم

حضرت کی تحریر سفارش نہایت خوب ہے لیکن اس کا یہاں سے ذریعہ رجسٹری روانہ ہونا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ اس لیے واپس بھیج کر مستدعی ہوں کہ غبار صاحب کو ہدایت فرمائی جائے کہ وہ دوبارہ سربمہر لفافہ میں بند کر کے ذریعہ جوابی رجسٹری ہز ہائینس کے نام روانہ کر دیں اور جو رسید یہاں سے پہنچے اسے میرے پاس بھیج دیں۔

حضرت کے الطاف خسروانہ کا منت پذیر

۱۰ر محرم ۱۳۴۵ھ ۳ر ۳۵ ف — نیاز فتح پوری

نام مکتوب الیہ ... منیجر صاحب رسالہ نگار

پتا ..... بھوپال

از مقام .... پیشکاری پیلیس حیدرآباد دکن

تاریخ ... ۹ ذی الحجہ سنہ ۱۳۴۴ھ ۵ امرداد سنہ ۱۳۳۵ف ۲۰ جون سنہ ۱۹۲۶ء

بخدمت شریف جناب منیجر صاحب رسالہ نگار

براہ کرم حسب ذیل کتابیں بنام نامی ہزاکسلنسی سر مہاراجہ

بہادر یمین السلطنت بصیغہ وی پی بھیج کر ممنون فرمائیے۔

جہاں آرا	تذکرہ حضرت بلھے شاہ	نمکدان فصاحت
۸ر	۸ر	۸ر عہ
لسان الغیب ہر دو جلد	کامن الکرام	بندگی
صہ	۸ر سے	عہ ۱۰ر
جواہر ریزے	نیشنگ اول و دوم	سیر یورپ
۴ر	للعہ ۴ر	عار ۸ر لعہ ۲ر

سید صادق حسین غبارہ

---

۱۷ جولائی

مکرمی۔ السلام علیکم

ہزاکسلنسی مہاراجہ بہادر بالقابہ کی سفارشی تحریر موصولہ

نواب صاحب بہادر بھوپال میں نے اس غرض کے ساتھ واپس کر دی تھی کہ براہ راست ہز اکسلنسی کی طرف سے ذریعہ رجسٹری نواب صاحب بہادر کے نام بھیج دی جائے۔ اس لیے میں اس عریضہ کے ذریعہ سے جناب سے یہ دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ وہ تحریر کس تاریخ کو نواب صاحب کے نام رجسٹری کی گئی ہے اور اگر نہ کی گئی ہو تو میرے پاس رجسٹرڈ بھیج دی جائے۔ اب بعض صورتیں ایسی پیدا ہو گئی ہیں کہ میں خود بھی اُسے پیش کر سکتا ہوں۔

جناب کا امیدوار

نیاز فتح پوری

۲۴

مکرمی تسلیم۔

لفافہ مل گیا۔ شکریہ۔ نتیجہ سے اطلاع دوں گا۔ حضور کی خدمت میں میرا آداب پہنچا دیں۔

خاکسار

نیاز فتح پوری

قصبۂ مارہرہ ضلع ایٹہ بہترین کارخ

مورخہ ۱۶؍ ذی الحجہ سنہ ۱۳۴۴ھ مطابق ۲۸؍ جون سنہ ۱۹۲۶ء

عالی جاہا۔

تسلیم فدویانہ۔ خاکسار سید محمد اسحاق مارہروی نمائندہ رسالہ "نگار" نے ایک کارخانہ آم کی چٹنی کا جو کہ علاوہ لذیذ و مفید

ہونے کے ہاضم بھی ہے کھولا ہے۔ جیسا کہ رسالہ ملفوفہ نگار بابت
ماہ مارچ و اپریل، مئی نمبروں میں جناب والا کے ملاحظہ سے گزرا
ہوگا۔ اور اپریل ۴۶ء میں مولانا نیاز صاحب کی رائے بھی جو
ملاحظات کے سلسلہ میں ہے ملاحظہ فرمائی ہوگی۔ خاکسار نے
مولانا نیاز صاحب کی خدمت اقدس میں پیش کر کے یہ عرض کیا
تھا کہ (بشرط پسند) اس چٹنی کے متعلق اپنی زرّیں رائے
نثر و نظم دونوں صورت میں نیز یہ کہ سالانہ اخراجات کا تخمینہ
فرما دیا جائے تو علاوہ عزت افزائی اس کارخانہ میں چار چاند
لگ جائیں گے۔ میری عرض پر مولانا نے ایک خط جناب والا
کے نام تحریر فرما دیا ہے جو ملفوف ہے۔

آخر میں مجھے امید ہے کہ جناب والا اس کو پسند فرما کر اپنی
زرّیں رائے سے مطلع فرمائیں گے اور نیز یہ کہ سالانہ جس قدر
بھی صرف ہو اس کے متعلق کارخانہ کو حکم دیا جائے کہ تعمیل
کرے۔ یہ چٹنی جس کو جناب والا ملاحظہ فرمائیں گے شیریں
ہے اور یہ وہ چٹنی ہے جس کی تعمیل کی جاتی ہے۔ اس لیے رائے
کی ضرورت ہے۔ اخبارات وغیرہ میں شائع کر کے کارخانہ
کی حوصلہ افزائی ہو۔ اگر جناب والا کو حیدرآبادی مذاق کی ترش
چٹنی کی ضرورت ہوگی تو کارخانہ وہ بھی حاضر کر سکتا ہے اور ہر
وقت و خلاف فصل اور میٹھی کے علاوہ قاش دار چٹنی بھی اس
سال طیار کرائی ہے۔ اگر حکم دیا جائے تو اس کو بھی ملاحظہ کے

لیے بھیج دیا جائے لیکن اشتہار کے لیے صرف پچھے دار رکھی گئی ہے۔ للعہ روپیہ من قیمت ہے جو اس چٹنی کو دیکھتے ہوئے کچھ بھی نہیں۔ پائدار بے حد کسی قسم کا دھوکہ نہیں۔ جیسا کہ عام رواج ہے دھوکہ دیا جاتا ہے۔ اس کارخانہ کو آپ کے غلام سید بادشاہ حسینی کے نام سے کھول دیا ہے۔ امید کہ جناب والا خاص توجہ فرما کر عزت افزائی فرمائیں گے۔ پارسل ریلوے ایم۔ جی اسٹیشن سے فوراً طلب فرمالیا جائے۔ کہ دیر ہونے میں پارسل کھل جانے یا غائب ہونے کا اندیشہ ہے۔ فقط۔

خاکسار

سید محمد اسحاق۔ نزاہمرہ نگار

مارہرہ ایٹہ

بھوپال۔

مطاعی الاعزت تسلیم۔

میرے ایک نہایت عزیز دوست نے مارہرہ میں چٹنی کا کارخانہ قائم کیا ہے اور وہ متمنی ہیں کہ جناب کی رائے حاصل کریں۔ بطریق تحفہ کی صورت میں وہ تھوڑی سی چٹنی حضرت کی خدمت میں پیش کر رہے ہیں۔ خدا کرے جناب اسے پسند فرمائیں اور اپنی رائے لکھ کر اکھیں اور مجھے دونوں کو ممنون۔ خدا کرے طبیعت کی آب و ہوا جلد اعتدال پر آجائے تاکہ

میں حضرت پا بوس کو پورا کر سکوں۔

منت پذیر
نیاز فتح پوری

۲۵
۸

معالی الالقاب دامک اللہ بالعز والاقبال۔

میرا معاملہ ہنوز بیم و رجا کی منزل میں ہے۔ تازہ انقلاب یہاں یہ ہوا کہ سر اسرار حسن خاں صاحب ممبر تعلیمات ہو گئے ہیں اور چونکہ شعبۂ تصنیف و تالیف بھی تعلیمات میں شامل ہے اس لیے اگر یہ چاہیں تو آسانی سے میرا معاملہ طے ہو سکتا ہے۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ حضرت کے مراسم سر اسرار حسن خاں صاحب سے بہت وسیع ہیں۔ اس لیے اگر میرے متعلق جناب ان کو تحریر فرما دیں تو کامیابی کی امید ہے۔

تحریر کا مضمون وہی ہونا چاہیے جو جناب نے ہز ہائینس کے نام کی تحریر میں درج فرمایا تھا۔ لیکن اس تحریر میں آپ زیادہ قوت اصرار سے بھی کام لے سکتے ہیں۔

ان کے نام کی تحریر میرے پاس بھجوا دیجیے۔ میں خود اس کے ذریعے سے مل لوں گا۔ مجھے گھڑی گھڑی حضرت کو تکلیف دیتے شرم آتی ہے لیکن کیا کروں۔

کرم ہائے تو مارا کرد گستاخ

خاکسار
نیاز فتحپوری

اگر نامناسب نہ ہو تو ایک تحریر نواب زادہ سید الظفر خاں بہادر کے نام کی بھی بھیج دیجیے کہ وہ خود اس مسئلہ میں کوشش کریں اور میر اسرار حسن خاں سے بھی کہہ دیں۔

لکھنو۔ دفتر رسالہ نگار

۲۹ر اپریل سنہ ۳۰ء

سرکار والا

میں یہاں پہنچ گیا لیکن اس حال میں کہ میرا ریشہ ریشہ سرکار کے خسروانہ الطاف و کرم سے گرانبار ہے اور میں حیران ہوں کہ اپنے جذبات تشکر کا اظہار کن الفاظ میں کروں۔ حقیقت یہ ہے کہ سرکار والا کی ذات اس وقت نہ صرف حیدرآباد بلکہ سرزمین ہند میں ایک ایسی عجیب و غریب ذات ہے کہ اگر آج تمام لوگ اس کے بلند اخلاق کو اپنے سامنے رکھیں تو دنیا پھر کھوئے ہوئے امن و سکون کو واپس لا سکتی ہے۔ کسی شخص میں کوئی خوبی ہوتی ہے کسی میں کوئی، لیکن اتنی صفات حسنہ کا اجتماع حقیقت یہ ہے کہ فطرت کا اعجاز ہے۔ سچ ہے۔

لیس علی اللہ بمستنکر
ان یجمع العالم فی شخص واحد

اللہ سب کچھ کر سکتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ ایک ہی ذات میں سارے عالم کی سمائی پیدا کر سکتا ہے۔

نواب مہدی یار جنگ بہادر نے اپنے دفتر سے موازنہ
کی گنجائش دریافت کی۔ ممکن ہے کہ وہ عدم گنجائش کی
صورت میں سفارش نہ کریں اس لیے ضرورت
ہے کہ سرکار والا ان کو جلد ایک تحریر ارسال فرما دیں کہ اگر
موازنہ میں گنجائش نہ ہو تو زائد از موازنہ کی سفارش کر دیں۔
سرکار نے دستگیری فرمائی ہے تو اس کی تکمیل بھی سرکار
ہی کی مدد سے ہو سکتی ہے۔
میں اخیر جون میں کتابیں طیار کر کے سرکار کے حضور
میں حاضر ہوں گا۔
لکھنؤ کا جو تما کو سرکار نے پسند فرمایا تھا اس کا پارسل
پرسوں انشاء اللہ روانہ کروں گا۔
امید ہے کہ سرکار معہ وابستگان دولت مع الخیر ہوں گے

خاکسار
نیاز فتح پوری

دفتر رسالہ "نگار" لکھنؤ

۸ مئی سنہ

سرکار والا
اس سے قبل ایک عریضہ حضور میں ذریعہ رجسٹری پیش کر چکا
ہوں۔ ملاحظہ اقدس سے گزرا ہوگا۔
اس عریضہ کے ساتھ ۱۰ سیر تما کو کی بلٹی روانہ کرتا ہوں،

یہ وہی تماکو ہے جو سرکار نے پسند فرمایا تھا۔ اور اب میں نے خاص اہتمام سے طیار کرایا ہے۔ میں علیل ہو گیا تھا اس لیے اس سے قبل نہ بھیج سکا۔ اس کی قیمت ادا کر دی گئی ہے محصول ریل بہ خیال تحفظ ادا نہیں کیا گیا۔ امید ہے کہ سرکار والا اس ہدیہ حقیر کو قبول فرما کر معزز فرمائیں گے۔

پریم درپن کی تصاویر طیار ہو رہی ہیں انشاء اللہ آخر جون میں خود حاضر ہو کر پیش کروں گا۔

یقین ہے کہ سرکار والا نے نواب مہدی یار جنگ بہادر کو موعودہ خط بھیج دیا ہوگا اور بصورت عدم گنجائش موازنہ زائد از موازنہ منظور شدہ خرچ کرنے کی تحریک فرما دی ہوگی۔ جو کام سرکار والا نے شروع فرمایا ہے وہ سرکار ہی کی مدد سے انجام تک پہنچ سکتا ہے۔ میرا کام تو بقول حافظ "دعا گفتن است و بس" کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے۔

یہاں سے ایک رسالہ "اتفاق" ایک آنہ فنڈ سے نکلتا ہے۔ ایک آنہ فنڈ کی انجمن غربا کی تعلیم یتامی وغیرہ کی امداد کرتی ہے۔ اس رسالہ کے ایڈیٹر متمنی ہیں کہ سرکار والا کی کوئی غزل شائع کرنے کی اجازت مرحمت ہوگی اور کوئی تازہ غزل مرحمت فرما دیں گے تو اس رسالہ کی عزت افزائی ہو جائے گی۔

سرکار کی جو شبیہ میں لایا تھا "[illegible]" [illegible] پریم درپن میں دے دی جائے گی اور وہی رسالہ اتفاق میں بھی

امید ہے کہ بنگلور کی آب و ہوا سرکارِ والا کے لیے صحت بخش ثابت ہوئی ہوگی۔ ایامِ دولت و اقبال مستدام!

خاکسار

نیاز فتح پوری

دفتر نگار۔ لکھنؤ۔ ۱۲ مئی سنہ ۳۰ء

سرکارِ والا۔

تماکو کی بلٹی غالباً پہنچ گئی ہوگی۔ اگر سرکار کو یہ تماکو پسند آیا ہو تو مطلع فرمایا جائے تا کہ اور بھیج دوں اور اگر اس میں کوئی نقص رہ گیا ہے تو بھی ارشاد ہو کہ اس کو دور کرانے کی کوشش کروں۔

آج کی ڈاک سے رسالۂ نگار ماہ مئی سنہ ۳۰ء کا ذریعہ رجسٹری ارسالِ خدمتِ گرامی ہے۔ ملاحظات کے سلسلہ میں ایک اور مضمون میں جو "سرزمینِ دکن کی ایک دل نواز شام" کے عنوان سے شائع ہوا ہے، مجھ سے بے اختیارانہ کلمات سرکار کے متعلق نکل گئے ہیں۔ اگر فرصت ہو تو سرکار ملاحظہ فرمائیں۔

سرکار کی تصویر اور روپا کی جو تین رنگ میں تیار کی گئی ہے چھپنے کے لیے کلکتہ روانہ کردی گئی ہیں۔

امید ہے کہ سرکار کا مزاج بخیر ہوگا۔

خاکسار

نیاز فتح پوری

کمارا پارک
بنگلور
۲۶ رمئی ۱۹۳۳ء

مہربان شاد

آپ کا خط وصول ہو کر باعث مسرت ہوا۔ تما کو بھی پہنچی۔
میری رائے ہے کہ اس کو صرف تما کو ہی کہنا مناسب ہو گا۔
کیوں کہ اس میں خمیرہ کا بالکل مزہ نہیں ہے۔

رسالہ نگار بابتہ ماہ مئی ۳۳ء جو بذریعہ رجسٹری ارسال
کیا گیا تھا مجھے کنور میں وصول ہوا۔ سرزمین دکن کی ایک دل نواز
شام کا آپ نے ایسا سراپا تحریر کیا ہے کہ اصلی تصویر کی جگہ
قلمی تصویر پیدا کر دی ہے۔

میرے متعلق جو کچھ بھی آپ نے تحریر کیا ہے وہ غالباً اسی
خلوص کا نتیجہ ہے جو آپ کو میرے ساتھ ہے ورنہ "من آنم کہ من
دانم۔ امید کہ آپ بعافیت ہوں گے۔

فقیر

دفتر نگار۔ لکھنؤ
۵ رجون ۳۳ء

سرکار والا

میں تو اپنے عریضوں کے جواب کی طرف سے مایوس ہو چکا

تھا۔ لیکن ۱۲ مارچ کے عطوفت نامے نے بقول شخصے "گرتا ہوا گھر تھام لیا۔"

سرکار کے الطاف عمیم نے اس قدر گستاخ بنا دیا ہے کہ مجھے کچھ عرائض پیش کرنے کی جرأت ہو جاتی ہے۔ ورنہ ظاہر ہے کہ میں کیا اور میری ہستی کیا۔

سرکار نے "عمر بھی دکن کی دلی آواز شام" کو پسند فرمایا۔ اس سے زیادہ فخر اور کیا ہو سکتا ہے۔ خدا سرکار کو اس وقت تک قائم رکھے جب تک فطرت کو دنیا میں ذرہ نوازی و انسانیت کی یادگار باقی رکھنا ہے۔

بیگم دوریں کا بڑا کام ختم ہو چکا یعنی ۲ بلاک تصاویر کے طیار ہو چکے۔ کتابت ہو رہی ہے۔ کوشش کر رہا ہوں کہ جلد از جلد اس کو لے کر بارگاہ گرامی میں حاضر ہوں۔

غالباً سرکار دار الحکومت حیدرآباد واپس تشریف لے آئے ہوں گے اور بعد واپسی بھی دامن دولت صحت و عافیت کے ساتھ ہوں گے۔

میں نے ایک اور چیز نہایت ہی اہتمام کے ساتھ کاٹ کر طیار کرنے کا انتظام کیا ہے۔ انشاء اللہ اپنے ساتھ لاؤں گا۔ خدا کرے سرکار کو پسند آ جائے۔

اگر ارشاد ہو تو "جلوہ کرشن" کی طباعت کا بھی انتظام

ان کا نام پیشر وع کر دیا جائے۔

خاکسار

نیاز فتحپوری

حضور اقدس سر مہاراجہ یمین السلطنت مدار المہام دکن

بالقابہ دام اقبالہ

بعرض حق   میر ساقی

اے دامن تو قبلہ مشت غبار من

رات آخر وقت نازک ہے ریاض   لو لگی ہے شمع کی اللہ سے

حضور والا

بیاعتبار عمر میرے خدا رسیدہ ہونے میں شک نہیں۔ میں جانتا

تھا جب ہی لوگ کہتے تھے۔

دیکھ کر سمجھتے ہو کیا تم صورت پاک ریاض

یہ بڑے پہنچے ہوئے اللہ والے لوگ ہیں

بہر حال اس میں ریاض کی ریا کو بھی دخل ہو مگر بڑھاپے کے اس

نازک وقت میں ہر شخص چاہتا ہے کہ ایسی مسلمہ برگزیدہ ہستی

سے جس کے ساتھ نسبت قرب حاصل ہو چکی ہو اور دوری کی نسبت

ہر وقت حاصل ہو تا امکان وہ نسبت قرب کے حصول کی تجدید

کیوں نہ کرے۔

میں اس موقع پر یکماں ادب بلا گرداں ہو کر کیوں نہ اس امر کی استفسار کی تکلیف دوں۔ سچ کہ میرا ہے ہیں کس نے اپنے نمک پروردہ کو با اختصاص یہ دعا دی تھی۔

شاد صاحب کی دعا ہے ہر دم
رہے سرسبز ریاضِ احمدؐ

اس دعا نے شرفِ اجابت نہ پایا ہوتا تو مجھے اتنی عمر ہرگز نہ حاصل ہوتی۔ ریاضِ احمدؐ قیامت تک سرسبز رہے گا۔ مگر نسبتاً اس دعا سے جو سرسبزی مجھے اب تک حاصل ہوتی رہی کیا کم ہے۔ ہر طرح پھولا پھلا۔ یہاں تک کہ آخر عمر میں خدا نے سات بچے دیے جن میں پچھلے دونوں بھائی بہن توام۔

اللہ دعا دینے والی مقدس ہستی کو مجھ پر اور میرے ان بچوں کے سر پر (جو بڑھاپے کی اولاد عزیز ہیں اور اپنی پرورش و پرداخت کے لیے محض بے ذریعہ ہیں) سایہ گستر رکھے۔ آمین آمین ہزار بار آمین۔

ایسے ظلِ اللہ کے حضور میں وقت آخر نسبتِ قرب کی تجدید کے لیے کیوں نہ حاضر ہوں۔

اس تمنا میں نیاز فتح پوری سے یہ سن کر اور بھی ہیجان پیدا ہو گیا کہ سرکارِ دولت مدار مہاراجہ بہادر میرا ذکر فرماتے تھے:

ہم اس کے ہیں ہمارا پوچھنا کیا

ان الفاظ سے طلبِ اجازت مقصود نہیں۔ نہ مجھ سے وابستہ

دامن کو اس کی ضرورت اور ہو بھی تو میں اس کا اہل نہیں۔ خدا حضور کا بھلا کرے۔ ہر وقت باریاب ہو کر کہہ سکتا ہوں:

اے دامن تو قبلۂ مشتِ غبار من

میں یقیناً انشاء اللہ تعالیٰ نیاز فتحپوری کے ساتھ ہی اگست کی کسی تاریخ میں شرفِ حضوری حاصل کروں گا

دولت و اقبال مستدام

ریاض

نمک پروردہ حضور مدار المہام[1]

[1] دام اقبالہٗ

۳۔ اگست ۱۹۳۰ء

۱۲؍ آبان ۱۳۳۹ف م ۲۳؍ ربیع الآخر ۱۳۴۸ھ ۷؍ ستمبر ۱۹۳۰ء

مؤدبانہ معروضہ

نیاز صاحب فتحپوری کے پاس سے (۲۳۳) جلدیں پریم درپن کی ذریعہ ریلوائی پارسل نامپلی اسٹیشن آگئی ہیں جس کی ریلوائی رسید نمبر 077069 رقمی للعہ سکہ کلدار جس کے حالی تقریباً عہ ہوتے ہیں بغرض ملاحظہ عالی منسلک ہے۔ نیاز صاحب فتحپوری کا خط بھی اس کے ساتھ پیش کیا جاتا ہے جس میں لکھا ہے کہ اس سے قبل (۵۰) جلدیں پریم درپن کی بھیج دی جا چکی ہیں اور اب سترہ جلدیں ان کے پاس ہیں جو آتے وقت ساتھ خود لائیں گے۔

برائے واگذاشت پارسل اصل قیمت ۱۶/۱۰ اور کرایہ وغیرہ کے
لیے علی الحساب مبلغ ہے ایسے جملہ مبلغ ۴۹/۱۰ سکہ عثمانیہ
سرفراز فرمائے جائیں تو مناسب ہے۔ زیادہ حد ادب۔

معروضہ فدوی

The Nigar

Lucknow.

۲۴ ستمبر ۳۰ء

مکرمی سید صاحب۔

تسلیم۔ بہت نادم ہوں کہ پیام دین کی روانگی میں غیر معمولی
تعویق ہوئی۔ سبب یہ تھا کہ جس دفتر کے سپرد یہ کام کیا گیا تھا وہ سیاسی
جھگڑے میں قید ہو گیا۔ آج کل یہاں کی سیاسی حالت بہت خراب
ہے۔ اور تمام کاروبار بند ہیں۔ ۳۳۴ جلدیں ارسال ہیں۔ ۵۰
پہلے پیش کر چکا ہوں۔ سترہ کتابیں میرے پاس باقی ہیں جنھیں
اپنے ساتھ لیتا آؤں گا۔ سرکار کی حضور میں یہ عریضہ پیش کر کے تاخیر
پر اظہار معذرت کر دیجیے۔ ممنون ہوں گا۔

خاکسار
نیاز فتح پوری
